حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار: اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے استنباط

مقالہ برائے **ایم- فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

مسعود اکرم

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 15-Mphil/IS/F21

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مارچ 2024

حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار: اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے استنباط

تحقیقی مقالہ نگار

مسعود اکرم

رول نمبر: 15-Mphil/IS/F21

سکالر ایم فل علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

نگران تحقیقی مقالہ

ڈاکٹر نصر اللہ

لیکچرار فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز

اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوجز، اسلام آباد

سیشن (2021,2024)

©(مسعود اکرم)

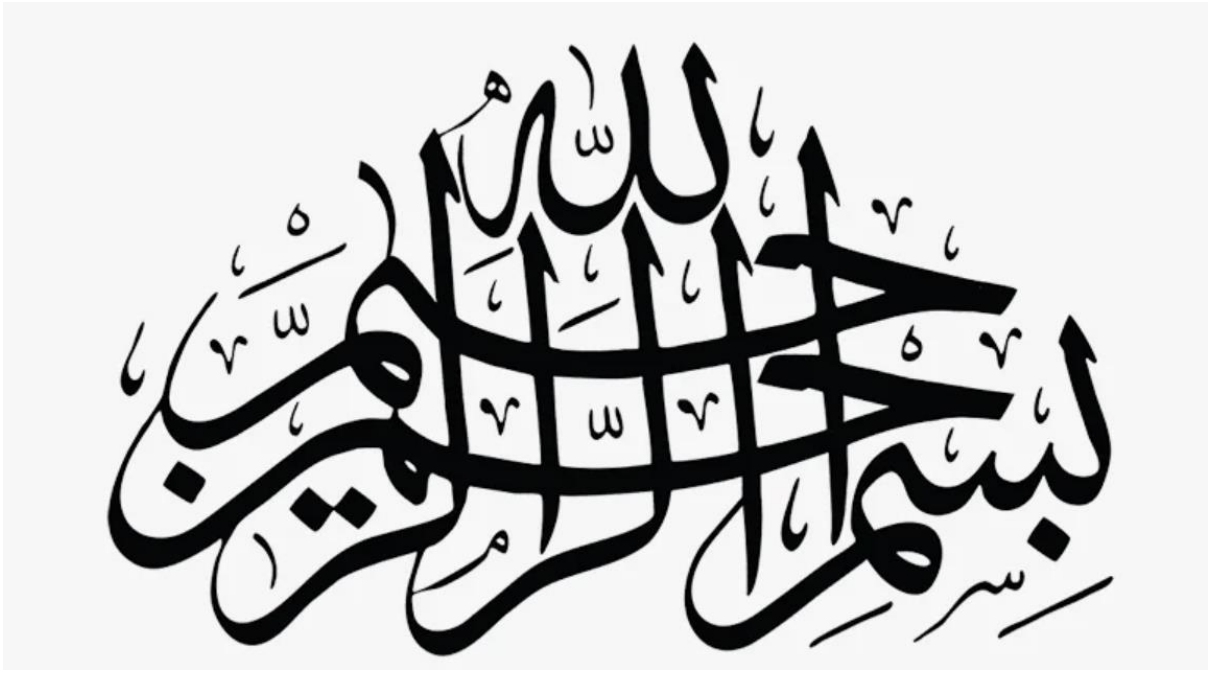
بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالے کے دفاع کو جانچاہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائینسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار: اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے استنباط**

Transition of the Government: inferences from Islamic Political Thought and History

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: مسعود اکرم

رجسٹریشن نمبر: 15-Mphil/IS/F21

ڈاکٹر نصراللہ _____

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید _____

(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد _____

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ _____

حلف نامہ

(Candidate Declaration Form)

میں مسعود اکرم ولد محمد اکرم

رجسٹریشن نمبر 15-Mphil/IS/F21

طالب علم، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار: اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے استنباط**

Transition of the Government:Inferences from Islamic Political Thought and History

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر نصراللہ** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نمل علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو لیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے/واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: **مسعود اکرم** دستخط مقالہ نگار: _____

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ملخص مقالہ(Abstract)

Islam provides guidance in every field of life. In the basic sources of Islamic thought and Philosophy, the Book of Allah and the Sunnah of the Prophet have given basic teachings in the fields of society, economy, and politics along with worship and beliefs. Principles and limits have been set in each field of social life in the primary sources. Likewise, the characteristics of a welfare state has been provided for better development of the society. The practical example of this comes from the life of Prophet at Madina and during the Caliphs' period. Historically, this is one of those golden periods in which the people were happy with their rulers and the Caliphs tried their best to adopt the way of Quran and Sunnah. As the State refers to the concept of a geographical part of the world where the protection and well-being of all citizens is protected. It is also result of a stable and successful state that the people living in a particular area get equal opportunities to express their abilities and live their lives in an atmosphere of peace and tranquility.

Establishing an Islamic state is core responsibility of Muslims so that they could practice their religion and get the objectives for their social life individually and collectively. For this purpose, there are currently 56 Islamic states. The majority of which have either family monarchy or various forms of dictatorship of an individual or a special group. Due to these oppressed authoritative mechanism the population of the Muslim Countries is unbale to achieve their social objectives and are is facing various economic, social and cultural problems. On other side a long lasting rule of a person or family with the lack of any mechanism for the transition of government in the Islamic teachings is becoming base of sedition and riots in the countries. Hence, it becomes more important to know the Islamic method of Government's transition in the light of Primary source of Islam, Islamic Politics, and the History of Caliphs.

This research will fulfil the scholarly need on Transition of Government in the Light of The Quran and Sunnah. As the review of literature revealed that Muslim scholars have given particular emphasized on establishing the Islamic state. Moreover, the jurists have counted the essential qualities in Islamic leadership. In this context, this research will dig-out the principles for the transition of government from the primary sources, History of Khilafat e Rashida, and the thought of Muslim scholars.

Key Words: : Islamic State, Khilafat e rashida, Transition of government, State of Madina, Mechanism of change in Islam, Islamic Politics.

(فہرستِ مضامین)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ	iv
2	حلف نامہ	v
3	ملخص مقالہ	vi
4	فہرستِ مضامین	vii
5	اظہارِ تشکر	xi
6	انتساب	xii
7	**باب اول: مقدمہ**	1
8	**باب دوم: قرآن وسنت کی روشنی میں ریاست اور حکومت کی تنظیم**	15
9	**فصل اول: قرآن سے ماخوذ اصول سیاست وریاست**	16
10	اقتدار اعلیٰ	16
11	انسانوں کو ریاست وحکومت بطور خلافت	19
12	قرآن بطور قانونِ خداوندی	21
13	منصب رسالت بطور ماخذ قانون	23
14	اولی الامر	28
15	قرآن کے مطابق کثرت رائے کا اصول	30
16	**فصل دوم: ریاست مدینہ سے ماخوذ حکمت عملی**	32
17	سنت سے ماخوذ اصول سیاست وریاست	32
18	قیام ریاست	35
19	آئین ریاست	36

20	حکومت کی بنیادی ساخت	37
21	استحکام ریاست	48
22	معاشی نظم وضبط	53
23	**باب سوم: عہد خلافت راشدہ اور مسلم مفکرین کی آراء سے انتقالِ اقتدار کے اصول کا استنباط**	63
24	**فصل اول: خلافت راشدہ کے نظائر سے استنباط**	64
25	انعقاد خلافت	64
26	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب	64
27	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب	65
28	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نامزدگی	65
29	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتخاب	65
30	خلیفہ کے انتخاب کے بنیادی اصول	66
31	ایک ذمہ دار حکومت	67
32	شورائی حکومت	67
33	مرکزی حکومت	69
34	حکام کی نگرانی واحتساب	69
35	حکام کو معزول وتبدیل کرنا	70
36	قانون کی بالادستی	70
37	خلافت کے اصول سیاست	71
38	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والیوں کی فہرست	73
39	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے والیوں کی فہرست	75
40	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے والیوں کی فہرست	81
41	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے والیوں کی فہرست	84

42	اسلامی ریاست میں حکومت کی پرامن تبدیلی کے استنباط کی	87
43	عمال اور گورنروں کی تبدیلی	87
44	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ	90
45	واقعہ تحکیم	91
46	حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح	92
47	خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات	93
48	**فصل دوم: مسلم مفکرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ**	100
49	ابو نصر فارابی	100
50	الماوردی	101
51	امام الحرمین جوینی	102
52	نظام الملک طوسی	103
53	امام غزالی	105
54	ابن تیمیہ	109
55	ابن خلدون	111
56	حضرت شاہ ولی اللہ	113
57	ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال	116
58	سید ابوالاعلیٰ مودودی	117
59	محمد اسد	118
60	امین احسن اصلاحی	120
61	**باب چہارم: اسلامی سیاسیات میں حکومت کی تبدیلی کا دور حاضر میں طریقہ کار**	123
62	**فصل اول: حکومتی تبدیلی کے مروجہ طریقوں کا جائزہ**	124
63	تحریک عدم اعتماد	124

64	صدر کا مواخذہ	129
65	ایران کے سیاسی نظام میں حکومت کی تبدیلی	133
66	سعودی عرب کے نظام حکومت کی تبدیلی	135
67	چین کے سیاسی نظام میں حکومت کی تبدیلی	138
68	**فصل دوم: دور حاضر میں حکومت کی تبدیلی کا اسلامی فکر کی روشنی میں لائحہ عمل**	139
69	اسلامی قوانین میں لائحہ عمل کے اصول	141
70	حکومت کی تبدیلی کا لائحہ عمل	151
71	خلاصہ بحث	153
72	نتائج تحقیق	156
73	سفارشات	157
74	فہرست آیات	159
75	فہرست احادیث	161
76	فہرست اعلام	162
77	فہرست اماکن	167
78	مصادر و مراجع	168

اظہارِ تشکر (Acknowledgements)

الحمدلولیہ والصلوۃ علی نبیہ وعلی الہ واصحبہ المتادبین بادابہ اما بعد! **اللہ رب العزت کا بے پناہ** احسان ہے جن کے فضل و کرم سے مقالہ تکمیل کو پہنچا۔ میں رب العالمین کے حضور دست بادعا ہوں کہ وہ اس تحقیقی کاوش کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں اسے مثبت اثرات کا حامل بنائے۔ آمین۔

اس بات پر بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے بندہ ناچیز کو اس عظیم کام "حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار: اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے استنباط" مرتب کرنے کی توفیق فرمائی، پیغمبر کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کا مصداق بننے کے لیے تمام احباب اور دوستوں کے لیے دعا گو ہوں جن کی محبت خصوصی دعائیں اور قیمتی مشورے اور عملی تعاون شامل حال رہا اللہ تعالی ان سب کو دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین خیر کثیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالی کا یہ بھی احسان عظیم رہا کہ اس مقالے کے مختلف مرحلے میں **ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب** (صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) کی خصوصی محبت و شفقت اور توجہ مجھے حاصل رہی۔ انھوں نے انتہائی دیانت داری کے ساتھ ضروری علمی اور فنی مہارت سے میری راہنمائی فرمائی۔ لہذا میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں اللہ رب العزت دنیا و آخرت میں انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئج کے شرف اور فضل کا اعتراف نہ کرنا علمی ناقدری کی علامت ہو گی جس مادر علمی کی وجہ سے مجھے ایم فل کا تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا اس سلسلے میں شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام خصوصیت کے ساتھ جذبات تشکر کے مستحق ہیں جن میں ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری، ڈاکٹر نور حیات صاحب، ،ڈاکٹر امجد حیات اور ڈاکٹر نصر اللہ صاحب کا میں دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، نیز اپنے تمام دوستوں کا احسان مند ہوں اور خاص طور پر اپنے والدین، بیوی اور بچوں کا جن کی دعاؤں اور مفید مشوروں نے دوران مقالہ مجھے حوصلہ دیا۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تعالی دنیا و آخرت میں ان سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین!

انتساب(Declaration)

میں اپنی اس تحقیقی و علمی کاوش کو اپنے واجب الاحترام والدین اور اساتذہ کرام کے نام منسوب کرتا ہوں جن کی دعائیں اور تربیت میری زندگی کا سرمایہ ہے۔

خاص طور پر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کا جن کی بدولت میں یہ کٹھن سفر کو طے کرنے کے قابل ہوا۔

باب اول

مقدمہ

موضوع تحقیق کا تعارف(Introduction to the topic)

رنگ، نسل، قبائل، زبان، اور علاقائی اختلافات کے باوجود ایک ہی مقصد کی خاطر زندگی بسر کرنے میں معاونت کرنے والے وسیع علاقوں کا انتظام کرنا ریاست کا اولین مقصد ہوتا ہے۔ جہاں ریاست اپنے قیام کے ساتھ ساتھ مخصوص علاقہ میں آباد افراد کے لئے امن اور سکون کی فضا کی فراہمی یقینی بناتی ہے تاکہ اس ریاست کے افراد کو اپنی صلاحتیوں کے اظہار کے بھرپور مواقع مل سکیں۔اس تصور کی بناپر ریاست ایک مخصوص علاقے کے تمام شہریوں کے تحفظ اور بہتری کی ذمہ دار ہوتی ہے۔اپنے شہریوں کی جانی اور مالی تحفظ کو اولین ترجیح سمجھا جاتا ہے۔ان مقاصد کے پیش نظر ریاست کے درج ذیل چار بنیادی عناصر ہوتے ہیں۔آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کی خاطر مملکت کے اداروں، منصوبوں اور مستقبل کے اہداف کو ظاہر کرنے کے لئے انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا جاتا ہے تاکہ منظم انداز سے ریاست کی ترجیحات کا حصول ہو سکے۔اس منظم ہیئت کو حکومت کہا جاتا ہے۔ معاصر انتظامی ڈھانچوں کا مطالعہ کیا جائے تو حکومتوں کی مختلف اقسام دنیا میں رائج ہیں۔ جن میں شخصی حکومت ،جمہوری حکومت ،آمرانہ حکومت وغیرہ ہیں۔انتظامی حیثیت کے پیش نظر دیکھا جائے تو حکومت ریاست کا ایک اہم جز کی حیثیت رکھتی ہے۔

ریاستی مقاصد کا حصول حکومتوں کے قیام کا اصل حدف ہوتا ہے۔اس حدف کے حاصل نہ ہونے کے سبب سے ریاست کے دوسرے اہم جز یعنی عوام الناس میں عدم اطمینان کا اظہار ہو رہا ہو تو اس صورت حال میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پرامن اور باعزت طریقے سے اسے تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسری حکومت لائی جاسکتی ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ حکومت کے قیام سے مراد اس کا ابتدائی انتخاب ہوا کرتا ہے جبکہ جب کہ حکومت کی تبدیلی یا انتقالِ اقتدار اس کے قیام کے بعد مختلف وجوہات کی بناپر کی جانے والے یا ظہور پذیر ہونے والی منتقلی ہے۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ

"بعض مغربی مصنفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام میں جب ایک حکومت قائم ہو جائے تو اسے کسی صورت ہٹایا جانا درست نہیں" [1]۔

یہ خیال شاید ان احکام کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے جن میں کسی حاکم وقت کی اطاعت یا ان کے خلاف بغاوت سے روکنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی روایت کرتے ہیں :

((خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم ويصلون عليكم وتصولن عليهم، وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم، قيل: يا رسول الله افلا ننابذهم بالسيف؟ فقال: لا ما اقاموا فيكم الصلاة وإذا رايتم من ولاتكم شيئا تكرهونه، فاكرهوا عمله ولا تنزعوا يدا من طاعة.[2]))

(تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لئے دعائے خیر کرو اور وہ تمہارے لئے دعائے خیر کریں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا ہم ان کو اسلحہ اور تلوار (یعنی بندوق) کے زور سے معزول نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں (یعنی جب تک وہ مسلمان رہیں تم ایسا نہیں کر سکتے)، اور جب تم (اپنے حکمرانوں کی) کوئی برائی دیکھو تو ان کے اس عمل کو برا جانو مگر نظمِ ریاست اور قانون کی پابندی سے ہاتھ مت کھینچو۔)

عمومی طور پر یہی رائے مشہور اور معمول بہ رہی کہ عصمت کی وجہ سے عہد نبوی اور صالحیت اور اہلیت کی وجہ سے عہد خلفاء میں حکومت کی تبدیلی کی ضروت ہی پیش نہ آئی جبکہ اسی بنا پر بعد کے زمانوں میں اقتدار کو بے جا طول دیا گیا جس کی وجہ سے اسلامی تہذیب و تمدن پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ سمع و طاعت کی ترغیب کے پیش نظر انتقال اقتدار اس مشہور رائے کے پیش نظر خاص طور پر مسلمان ریاستیں اپنے مقاصد کے عدم حصول کے باوجود کہیں نااہل، تو کہیں ظالم و جابر حکمرانوں کو برداشت کرتی رہیں اور کر رہی ہیں۔ اس صورت حال کی وضاحت کے لئے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے قرآن مجید، احادیث مبارکہ، خلفائے راشدین کے انتخاب کے طریقے اور اس کے بعد کے خطبات کا بغور

---

[1] عثمانی، مفتی تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2010ء), 358

[2] القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (بیروت: دار الکتب، 2010ء)، کتاب الإمارۃ، باب خیار الأئمۃ وشرارھم، 3 : 1481، رقم: 1855

جائزہ لینا انتہائی اہمیت کا حامل ہے جہاں سے نہ صرف اقتدار کی منتقلی بلکہ معزول کرنے کے مختلف طریقے سامنے آ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں حکومت کی معزولی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب "کفراًبواحاً" بیان کیا ہے۔

((فَكَانَ فيما أَخَذَ عَلَيْنَا: أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَنْ لا نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ.[1]))

(جن باتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا ان میں یہ بھی تھا کہ خوشی و ناگواری، تنگی اور کشادگی اور اپنی حق تلفی میں بھی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور یہ بھی کہ حکمرانوں کے ساتھ حکومت کے بارے میں اس وقت تک جھگڑا نہ کریں جب تک ان کو اعلانیہ کفر کرتے نہ دیکھ لیں۔ اگر وہ اعلانیہ کفر کریں تو تم کو اللہ کے پاس سے دلیل مل جائے گی۔)

اسلام فقط سمع و طاعت کی ترغیب نہیں دیتا ہے بلکہ ایک فلاحی ریاست کے خدوخال کو بھی بیان کرتا ہے۔ اس کی عملی مثال خلفاء راشدین کے دور خلافت سے ملتی ہے۔ جہاں ہے حکومت کے انتخاب اور قیام کے اصول تو طے تھے مگر طریقہ کار ہر دور کے مطابق مختلف نظر آتا۔ وہ اصول مشاورت، صلاحیت، صالحیت، عوامی کی رائے بذریعہ بیعت تھی۔ اس میں وراثت، دولت و ثروت، غالب گروہ کی برتری کا تصور کہیں نظر نہیں آتا۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دور اُن سنہرے ادوار میں سے ہے جس میں رعایا اپنے حکمرانوں سے خوش اور حکمران قرآن اور سنت کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ اسلامی تاریخ کے اس مثالی دور سے اخذ و اکتساب کر کہ کسی بھی اسلامی ریاست میں حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ کے بعد آپ کے بیٹے یزید کا حکمران بننا در اصل خلافت سے ملوکیت کی طرف طرز حکمرانی کا انتقال تھا۔ اب خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں نے لے لی اور مسلمانوں کو آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت امام حسین کی جدوجہد خلافت کی طرف واپسی کا سفر تھا مگر آپکو شہید کر دیا گیا۔ اس طرح بنو امیہ میں ملوکیت کا ایک سلسلہ جاری رہا اور ایک بادشاہ کی وفات کے بعد

---

[1] البخاري، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (بیروت: دار الاحیاء والارشاد العربی 2006ء) کتاب الفتن، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: سترون بعدي أمورا تنکرونھا، 6 : 2588، رقم: 6647

دوسرے کو بادشاہ مقرر کیا جاتا۔ ۹۴ سال بنو امیہ کی خاندانی حکومت رہی اور بعد ازاں بنو عباس کا دور حکومت عرصہ دراز تک جاری رہا۔ پھر بنو عبّاس کے دور میں بھی یہ سلسلہ اس طرح رہا۔

حکومت کی تبدیلی کے اسلامی طریقہ کار کو جاننا اس لئے بھی اہم ہے کہ اس وقت 56 اسلامی ریاستیں ہیں[1] اور ان میں یا تو خاندانی بادشاہت یا پھر جبر کی مختلف صورتوں میں سے فرد یا کسی خاص ہیئت کی ظاہری یا مستور آمریت و مطلق العنانیت موجود ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو مختلف معاشی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بظاہر حکومت کی تبدیلی کا کوئی طریقہ کار نہ ملنے کی وجہ سے فتن و فسادات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ عالمی طاقتیں اس سے فائدہ اٹھا کر مسلم ممالک کے قدرتی ذرائع پر قابض ہونے کی سعی کر رہی ہیں۔ اس ضمن میں عراق، مصر، شام اور یمن کے ساتھ افریکی ممالک کی مثالیں نمایاں ہیں۔ اسلام تعلیمات، اسلامی تاریخ و سیاسیات میں خانہ جنگی، خون ریزی اور فتنہ و فساد کو بدترین برائی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس سے بچنے کے لیے شریعت نے مسلح خروج سے منع کیا ہے۔ دوسری طرف نااہل حکمران کو تبدیل کرنے کی ہر پرامن کوشش کی ترغیب بھی ملتی ہے بلکہ چند ایک حالات میں یہ کوشش معاشرے اور اس کے مقتدر افراد پر واجب بھی ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہر شخص اور ہر سیاسی جماعت منصب حکومت کو مستقل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اپنے دور حکومت میں ہر جائز و ناجائز کام کرتی ہے۔ اس کے باوجود اقتدار کو اپنا حق سمجھتی ہے۔ دوسری طرف اقتدار سے محروم سیاسی جماعت یا گروہ ہر وقت اسے ہٹانے کے لیے مختلف جائز و ناجائز طریقے تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ پورا عالم اسلام اس مشکل صورت حال سے دوچار ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں اسلامی ریاست مقاصد سے پہلو تہی کر رہی ہوتی ہے بلکہ عوام کے حقوق بھی متاثر ہو رہے ہوتے ہیں۔ ہر شعبۂ زندگی تنزلی کا شکار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا واحد حل حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کار کو اسلامی تاریخ اور سیاسیات سے استنباط کر کے ترتیب دینا ہے۔ تاکہ اس کے مطابق مقاصد کی آبیاری نہ کرنے والی حکومت کو تبدیل کر کے ریاست اور اس کے بسنے والے افراد کو ناقابل تلافی نقصان سے بچایا جا سکے۔ اسلامی تعلیمات میں حکومت کی تبدیلی کا طریقہ بظاہر متعین تو نہیں کیا گیا لیکن اسلامی تاریخ اور سیاسیات سے اصول اخذ کر کے اسے ترتیب دیا جا سکتا ہے عصر حاضر کے مفکرین بھی اس مسئلے پر مدلل لائحہ عمل تیار کرنے پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ جدید ریاستی امور پر اسلامی فکر پیش کرتے ہوئے معروف اسلامی مفکر محمد اسد نے حکومت کے کاروبار پر

---

[1] https://www.worlddata.info/alliances/oic-islamic-cooperation.php retrived on 10/11/2022

شہریوں کی نگرانی، نکتہ چینی کے حق اور عزل کو حق بغاوت سے خلط ملط کرنے سے منع کیا ہے، امت کی اکثریت سے قائم شدہ اسلامی حکومت کو حق اقتدار سے محروم کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اگر ضرورت پیش آجائے تو اس کے لئے قوت کا استعمال کی تجویز کیا ہے۔[1] دیگر اہل علم خصوصاڈاکٹر علامہ محمد اقبال، ابوالکلام آزاد، ابوالاعلی مودودی، جاوید احمد غامدی، مفتی تقی عثمانی بھی قریباًاس مسئلے کی نزاکت کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مدلل اور وسیع لائحہ عمل کی تیاری پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔

موضوع پر تحقیقی کام کا جائزہ(Review of literature)

حکومت، ریاست اور سیاست کے میادین میں فکر اور عمل کی راہ نمائی کرتے ہوئے متعدد اہل علم نے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ جن کی تفصیلات اور مختصر تجزیہ درج ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

مقالاجات

1۔ پنجاب یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان۔ اسلامی قانون میں نظریہ ضرورت کی حیثیت (عرفانی، عبد المالک، ،1986ء یونیورسٹی آف پنجاب) میں وضاحت کی گئی ہے۔ضرورت و عموم بلویٰ کی اسلامی احکامات میں کتنی رخصت اور نرمی ہے اور اسلامی ریاست کے اصولوں میں اس کو کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

2. علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان اسلام کا نظریہ ضرورت اور امیر بالاستیلاء کی اطاعت، (محمد شریف 2005ء یونیورسٹی آف پنجاب) میں نظریہ ضرورت اور خاص طور پر امیر بالاستیلاء کی اطاعت، ڈکٹیٹر کے قابض ہونے کے بعد اسلامی ریاست کے احکامات کی نوعیت کی وضاحت کی ہے۔۔

3. کراچی یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان ادارہ خلافت اور جدید سیاسی نظام کا تقابلی و تحقیقی جائزہ، (رابعہ مدنی 2008ء، کراچی یونیورسٹی) میں خلافت راشدہ کے سنہری دور میں سیاسی اصول اور تنظیم کی وضاحت کی گئی اور ان کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید سیاسی نظام کا جائزہ لیا گیا ہے۔

4۔ سرگودھا یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان حکمرانوں کے خلاف خروج اور اسکی حدود اسلامی

---

[1] Muhammad Asad, *The Principles of State and Government in Islam*, (Malaysia Islamic Book Trust, ,1999),p:81

تعلیمات کی روشنی میں،(محمد افتخار قیوم 2010ء،پی ایچ ڈی، سرگودھا یونیورسٹی)میں خروج کی مختلف صورتیں اور اس کے جواز وعدم جواز پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے۔

5۔پنجاب یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "اسلامی مملکت کی داخلی پالیسی کے اہداف ومقاصد: عہد رسالت وخلافت راشدہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ" ،(محمد عبدالرحمان 2011ء پی ایچ ڈی، یونیورسٹی آف پنجاب)میں داخلی پالیسی کی متعدد وجوہ کو دور رسالت اور خلافت راشدہ کے اصولوں کی روشنی میں دیکھا گیا ہے۔

6۔ نمل یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "رسول اللہ اور خلفاء راشدین کے اجتہادی فیصلے: عصر حاضر کے تناظر میں تحقیقی جائزہ" (فرحت نثار 2011ء، پی ایچ ڈی، نمل یونیورسٹی،اسلام آباد)میں اجتہاد کی اہمیت اور دور حاضر میں ضرورت کے وقت اسلامی ریاست میں سیاسی معاملات میں اجتہاد کی صورتوں کو رسول اللہ اور خلفا راشدین کے اجتہادی فیصلوں کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

7. نمل یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ "بعنوان عصر حاضر میں اسلامی ریاست کی تشکیل : تحقیقی جائزہ مسلم مفکرین کے افکار کی روشنی میں" (فریدالدین طارق 2015ء نمل یونیورسٹی،اسلام آباد)میں اسلامی ریاست کا طرز حکومت اور عصر حاضر کے تناظر میں اسلامی ریاست کی مکمل حکومتی تنظیم واداروں اور دور حاضر میں اسلامی ریاست کا بین الاقوامی کردار اور دیگر ریاستوں سے اس کے تعلقات کے اصول و قوانین کی وضاحت کی گئی ہے۔ مگر حکومت کی تبدیلی پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔

8 ۔نمل یونیورسٹی کے ایم فل کے تحقیقی مقالہ بعنوان "اسلامی ریاست کی تشکیل نو: مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی آراء کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ" ، (محمد ادریس ،ایم فل، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد۔)میں دو عظیم مفکرین کی آراء کی روشنی میں اسلامی ریاست کی تشکیل نو کی متعدد جہات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

9۔ نمل یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "اسلامی ریاست کے جدید فکری زاوے: عصر حاضر کے تناظر میں تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" ،(محسن رضا 2019ء، پی ایچ ڈی، نمل یونیورسٹی،اسلام آباد)میں جدید دور میں اسلامی ریاست کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوے کن کن سیاسی افکار کو اپنایا جا سکتا ہے۔اور کون سے اسلامی لحاظ سے قابل عمل نہیں ہیں،

10۔ گفٹ یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "حکمرانی کے اصول وحکم: قرآن وسنت کی روشنی میں

جدید مغربی افکار کا تجزیہ" ،(حافظہ سمیرا ربیعہ 2019ء، گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ۔) میں جدید مغربی افکار کا تجزیہ کیا گیا ہے اور کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ سے اصول وحکم سیاست کی وضاحت کی ہے۔اوران کا تفصیلی تقابل پیش کیا گیا ہے۔

11۔یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "اسلام اور عصر حاضر کے تناظر میں ریاستی اداروں کی ذمہ داریوں کا تحقیقی جائزہ" ،(ذیشان2020ء یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی ،بنو، پی ایچ ڈی) میں ریاست کے اداروں کی ذمہ داریوں پر تحقیق کی ہے۔اس میں اسلام کی تعلیمات کیا ہیں اور عصر حاضر میں ان پر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے۔

12۔ گفت یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "عہد خلافت راشدہ کے سیاسی معاہدات اور ان کے تہذیبی اثرات" ،(لیاقت عثمان 2021ء، گفت یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔ پی ایچ ڈی) میں خلافت راشدہ کے دور میں ہونے والے سیاسی معاہدات کا بیان واثرات جو معاشرے نے قبول کئے ہیں۔ان کے اثرات سے کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

13۔جامعہ کراچی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان "اسلام کی رو سے مثالی ریاست کا تصور، نظری و عملی جائزہ" ، (خواجہ محمد عمیر جامعہ کراچی، پی ایچ ڈی) میں تفصیلا مثالی ریاست کے اصول اور اسلام کے اصولوں کے مطابق اس کا تصور کیا ہے۔اس پر ادلہ سے بحث کی ہے۔اور اس پر عمل کی مختلف صورتیں پیش کی ہیں جس سے ایک اسلامی ریاست کا قیام کیا جاسکتا ہے۔

14۔ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایم فل کے تحقیقی مقالہ بعنوان

The Role of Political Islam in Egyptian Democratic Experience
(Sarifuzzaman, Khan. (2019). University of Dhaka, Dhaka)

میں اسلامی سیاسی نظام اور جمہوریت کا تقابل پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دو طرح کا نظامِ حکومت ہے۔ ایک خلفاء راشدین کا اور دوسرا جمہوریت جب کہ خلافت کو بہترین نظام حکومت قرار دیا ہے۔ان دونوں میں سب سے بڑا فرق حاکمیت اعلیٰ بتایا گیا ہے اور خلافتِ راشدہ کے اُصولِ سیاست ذکر کیے ہیں، مگر حکومت کی تبدیلی کی کوئی صورت بیان نہیں کی۔

15۔پورٹ لینڈ سٹیٹ یونیورسٹی،امریکا کے اس تحقیقی مقالہ بعنوان

Succession of Caliphate in early Islam(Faisal H. al-Kathiri, 1980,
Portland State University, Portland)

میں خلافت کے معنی و مفہوم، تاریخ ،چاروں خلفاء کا طریقہ انتخاب اور حکومت کی تنظیم بیان کی ہے۔اوران کے اصول سیاست بیان کئے گئے ہیں۔

16۔گلوبل یونیورسٹی کے اس تحقیقی مقالہ بعنوان

"The Islamic political system: a basic value approach" (Prof. Dr. Mabid Ali al-Jarhi In ceif,2017 ,the global University for Islamic Finance, Malysia)

میں اسلامی نظام حکومت، قیام حکومت اوراس کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ان بنیادی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اسلامی ریاست کے لئے ناگزیر ہے۔

17۔پشاور یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ بعنوان

"A Critical Analysis of Khilafat e Rashidah in the Modern Perspectives"
(Zamir Akhtar Khan,2009 , University of Peshawar)

ان سب مقالاجات میں قرآن وسنت اور خلفاء راشدین کے دور سے اخذ کر کے اسلامی سیاسی اصول بیان کئے گئے، خلافت راشدہ کا طرز حکومت،استحکام ریاست، تنظیم ریاست، مغربی سیاسی افکار،اسلامی اور سیاسی افکار کا تقابل وتجزیہ، نظریہ ضرورت، امیر بالاستیلاء کی اطاعت،اسلام اور جمہوریت کا تقابل وتجزیہ، خروج کے احکام وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔لیکن ایک ریاست اسلامیہ میں حکومت کی پرامن تبدیلی کے طریقہ کار پر بحث نہیں کی گئی جس کی موجودہ دور بہت اہمیت ہے اوراس پر تحقیق کرنا بہت ضروری ہے۔

کتب:

اسلام میں حکمرانی کے اصول اور اسلامی نظام سیاست و حکومت پر قابل قدر تحقیقی کام موجود ہے۔اس موضوع پر ہر دور میں کتب تحریر کی گئیں جن میں اسلامی ریاست کے قیام سے لے کر مکمل نفاذ اور اس کے قابل عمل ہونے کی مختلف صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ان سے بنیادی اصول اخذ کیے گئے ہیں پھر ان کو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نافذ کرنے کی وضاحت کی گئی ہے۔ان کو نافذ کر کے ہر دور میں ایک مثالی اور فلاحی اسلامی ریاست قائم کی جاسکتی ہے۔

اس حوالے سے موجود چند اہم عربی کتب میں

ابن تیمیہ کی "السیاسہ الشرعیہ اور منہاج السنہ ،ابن قتیبہ کی طرف منسوب " الامامہ والسیاسہ "،

نظام الملک طوسی کی "سیر الملوک "اور "دستور العلماء"،امام غزالی کی کتاب "نصیحۃ الملوک"،اور

الفارابی کی کتاب "آراء اھل المدینہ الفاضلۃ"،اور الماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ ،

شاہ ولی اللہ کی البدور والبازغہ، سید قطب شہید کی العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام وغیرہ شامل ہیں۔

جدید مسلم مفکرین اور محققین کی جانب سے جو کام سامنے آیا ہے اس میں اعلیٰ پائے کی تحقیق سامنے آئی ہے۔ اس سلسلہ میں

حسن صعب کی "النظم السلطانیہ"،

علامہ محمد اسد کی کتاب "The Principles of State and Government in Islam"

ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "The Muslim Conduct of State" اہم ہیں۔

اردو میں جو جدید دور میں کتب تحریر کی گئیں ان میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریر کردہ کتب "اسلامی ریاست"، مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب "اسلامی ریاست ،ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کی کتاب "ریاست و حکومت کے اسلامی اصول" ، ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی کی عہد نبوی کا تنظیم ریاست و حکومت، جاوید احمد غامدی کی مقامات اور میزان شامل ہیں۔

لیکن تاحال ایسی تحقیق عمل میں نہیں آئی جس میں اسلامی سیاسیات اور تاریخ کے تناظر میں حکومت کی پرامن تبدیلی کے اصول کا استنباط عہد خلافت کے نظائر سے کیا گیا ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں ایسا طریقہ کار مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہو جو عصر حاضر اور مستقبل کی اسلامی ریاستوں میں حکومت کی پرامن تبدیلی کی ضمانت مہیا کر سکتے ہوں۔ لہذا اس موضوع کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر اس کو ایم فل کے تحقیقی مقالہ کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

جواز تحقیق:(Rationale of the Study)

ریاست میں قیام حکومت کے بعد اگر کوئی حکمران ریاستی مقاصد کے حصول کے لئے کماحقہ کوشش نہ کرے تو اس تمام آبادی کو اس کے رحم کرم پر چھوڑنے کے بجائے اسے تبدیل کر کے مقاصد کی نگہبانی کرنے والے افراد کو مقرر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی واضح لائحہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے مسلم ممالک مسائل کے ساتھ ساتھ امن وامان کی ابتری کا سامنا کر رہے ہیں۔ میرے علم کے مطابق موجودہ ادب کا مطالعہ کرنے کے بعد حکومت کی تبدیلی کی کوئی صراحت ووضاحت موجود نہیں اس لئے پرامن طریقہ سے اسلامی ریاست میں حکومت تبدیل کرنے کا اسلام کے بنیادی مصادر، تاریخ اور سیاسیات سے لائحہ عمل کا استنباط کر کے پیش کرنا وقت کی اہم علمی و تحقیقی ضرورت ہے۔

بیان مسئلہ/مسئلہ تحقیق کی وضاحت(Statement of the Problem

اسلامی ریاست میں حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کار کا موجودہ دور کے اعتبار سے فقدان ہے، جس کی اسلامی تعلیمات، فکر، تاریخ اور سیاسی مفکرین کی آراء سے اسناد وتوثیق کی جائے۔ اس نازک زمانے میں اسلامی سیاسیات اور تاریخ کی روشنی میں ایسے طریقہ کار کی تلاش و جستجو بہت ضروری ہے، جس سے پرامن طریقے سے ایک حکومت کو معزول کرنا اور نئی حکومت قائم کرنا ممکن بنایا جاسکے۔ اس کو دریافت کرنا اس تحقیق کا حصہ ہے۔

ضرورت واہمیت: (Significance of the study)

دین اسلام زندگی کے مختلف شعبہ جات کے لئے اصول فراہم کرتا ہے۔ ہمارا دین جس طرح فرد کی انفرادی زندگی کے اصول بتاتا ہے۔اسی طرح معاشرتی زندگی مل کر بسر کرنے کا ضابطہ متعین کرتا ہے۔ جس طرح ایک خاندان کے لئے گھر کی ضرورت ہوتی ہے جس میں وہ محفوظ طریقے سے زندگی بسر کرتا ہے۔اسی طرح عوام کو ایک ملک کی ضرورت ہوتی ہے۔اس ملک کے کے عوام کا منظم ہونا ضروری ہوتا ہے۔اس تنظیم کے لئے اصول وضع کئے جاتے ہیں،تاریخ نے ملک کو بہت ضروری قرار دیا ہے،اللہ کے رسول بھی اس کو اللہ کے احکامات کے مطابق قائم رکھنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ مجموعی طور پر امت ریاست کے وقار اور کردار کے اعتبار سے مشکل دور سے گزر رہی ہے پاکستان سیاسی فسادات، بے ضابطگیاں،انتشار اور عدم اعتماد کی لپیٹ میں ہے۔ جس میں مغربی جمہوریت نے پنجے مضبوط کئے ہوے ہیں، جس کے مطابق عدم اعتماد کے طریقے سے وزیر اعظم اور اس کی حکومت کو ختم کیا جاتا ہے، جس سے بدامنی اور انتشار میں اضافہ ہوتا ہے۔اسلام اس تبدیلی کا کیا طریقہ کار متعین کرتا ہے،اسے جاننا بہت ضروری ہے،ایسے حالات میں ایسی بنیادوں کو واضح کرنا اشد ضروری ہے جو موجودہ زمانے کے مطابق صحیح ریاست کا تصور پیش کریں۔ جس میں دین اسلام کی سربلندی ہو اور تمام مسائل کا حل موجود ہو اس اہمیت کے پیش نظر خلافت راشدہ کے دور حکومت کے اصولوں کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے گا تاکہ حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کو معلوم کیا جاسکے۔

مقاصد تحقیق: (Objectives of the Study)

1۔اسلامی سیاسیات اور تاریخ کی روشنی میں ریاستی و حکومتی نظام کا جائزہ لینا۔

2۔ خلافتِ راشدہ کا مطالعہ کرتے ہوئے حکومت کی تبدیلی کے اصول اور ضوابط تلاش کرنا۔

3۔اسلامی سیاسیات اور تاریخ میں پرامن انتقالِ اقتدار کا عصر حاضر میں ممکنہ لائحہ عمل کا کھوج لگانا۔

سوالات تحقیق : (Research Questions)

1۔اسلامی سیاسیات اور تاریخ کی روشنی میں ریاست اور حکومت کی ساخت کیا ہو سکتی ہے؟

2۔ عہد خلافت راشدہ سے ماخوذ انتقال اقتدار کے کیا اصول ہو سکتے ہیں؟

3۔اسلامی سیاسیات اور تاریخ کی روشنی میں حکومت کی تبدیلی کا عصر حاضر میں طریقہ کار کیسا ہو سکتا ہے؟

تحدید اور دائرہ کار موضوع :(Delimitation of study)

اس تحقیقی مقالہ میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کو تاریخ اسلام کے سنہری باب یعنی عہد خلافت راشدہ کے استنباطی مطالعے تک محدود کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق :(Research Methodology)

1۔زیر نظر تحقیق کا منہج استنباطی ہے۔استنباط کے لئے تاریخ اور سیاسیات کے بنیادی مصادر سے رجوع کیا گیا ہے۔

2 ۔قرآن وسنت سے استفادے کے لئے متن قرآن کے ساتھ ساتھ متقدمین کی تفاسیر میں سے تفسیر ابن جریر الطبری، تفسیر احکام القرآن جصاص، تفسیر ماتریدی، تفسیر ماوردی،اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔

3۔تعلیماتِ رسول کے مطالعے کے لئے صحاح ستہ کی طرف رجوع اور اخذ کیا ہے۔

4۔کتب سیرت اور تاریخ میں سے بطور خصوصی سیرت ابن اسحاق، سیرۃ ابن ہشام، ابن کثیر کی البدایۃ والنھایۃ،ابن حبان کی السیرۃ النبویۃ و أخبار الخلفاء،اور تاریخ ابن خلدون وغیرہ سے مطالعہ اور استنباط کیا ہے۔

5۔مسلم مفکرین کی سیاسی آراء سے استنباط کے لئے بطور خاص درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

الماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ ،نظام الملک طوسی کی سیر الملوک،سیاست نامہ،

امام غزالی کی احیاء العلوم الدین، نصیحت الملوک،الاقتصاد فی الاعتقاد،

ابن تیمیہ کی السیاسہ الشرعیہ، منہاج السنہ،الامامہ السیاسہ،ابن خلدون کے مقدمہ اور تاریخ۔

شاہ ولی اللہ کی البدور والبازغہ، سید قطب شہید کی العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام وغیرہ شامل ہیں۔

عصر حاضر کے اہل علم میں سے محمد اسد کی

The Principles of State and Government in Islam

، سید ابو الاعلی مودودی کی خلافت وملوکیت اور اسلامی ریاست ،ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب محمد ﷺ کی حکمرانی اور جانشینی، رسول اللہ کی سیاسی زندگی اور The Muslim Conduct of State، جاوید احمد غامدی کی مقامات اور میزان، ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کی ریاست و حکومت کے اصول سے بقدر ضرورت اخذ واقتباس کیا گیا ہے۔

6۔ مواد جمع کرنے کیلئے لائبریری کو استعمال کیا گیا ہے۔

7۔ تاریخی واقعات کا تجزیہ اور تحلیل کرنے کیلئے تاریخ نگاری اور تاریخی نقد کے اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

8۔ اصطلاحات کی لغوی تشریح کیلئے لغت کی بنیادی کتب اور اصطلاحی مفہوم کیلئے کتب اصطلاحات سے استفادہ کیا ہے۔

9۔ احادیث نبویہ ﷺ کی تحقیق کیلئے اصول روایت ودرایت کا خیال رکھا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی تفصیل

باب اول: مقدمہ

باب دوم: قرآن وسنت کی روشنی میں ریاست اور حکومت کی تنظیم

فصل اول: قرآن سے ماخوذ اصول سیاست وریاست

فصل دوم: ریاست مدینہ سے ماخوذ حکمت عملی

باب سوم: عہد خلافت راشدہ اور مسلم مفکرین کی آراء سے انتقالِ اقتدار کے اصول کا استنباط

فصل اول: خلافت راشدہ کے نظائر سے استنباط

فصل دوم: مسلم مفکرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

باب چہارم: اسلامی سیاسیات میں حکومت کی تبدیلی کا دور حاضر میں طریقہ کار

فصل اول: حکومت کی تبدیلی کے مروجہ طریقوں کا جائزہ

فصل دوم: دور حاضر میں حکومت کی تبدیلی کا اسلامی فکر کی روشنی میں لائحہ عمل

باب دوم

قرآن وسنت کی روشنی میں ریاست اور حکومت کی تنظیم

فصل اول :قرآن سے ماخوذ اصول سیاست وریاست

فصل دوم: ریاست مدینہ سے ماخوذ حکمت عملی

فصل اول

قرآن سے ماخوذ اصول سیاست و ریاست

قرآن پاک میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے بنیادی قواعد فرمائے گئے۔اس طرح حکومت کے قیام و نظام کے لئے بھی اصول بیان فرمائے ہیں۔قرآن نے سیاسی معاملات کی روح کو تو بیان کیا ہے مگر کوئی خاص ہیت بیان نہیں کی۔ دور جدید کی ریاست اور اس کے اجزاء کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کی قراان مجید نے آج کی ریاست کے بنیادی عناصر یعنی خطہ زمین،آبادی یا قوم، حکومت اور اقتدار اعلی سب کا ذکر، کسی نا کسی طور کیا ہے، مگر اس سلسلہ میں کوئی لگا بندھا ڈھانچہ (ماڈل) طے نہیں کیا بلکہ اسے انسانی بصیرت پر چھوڑ دیا ہے کہ سماجی ضرورت کی بنیاد پر انسان کا اجتماعی شعور، ریاست و حکومت کا جو نقشہ موزوں سمجھے، اختیار کر لے۔

1۔اقتدار اعلی

قرآن کے مطابق نظام خلافت میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے۔وہ ہر چیز کا حاکم اور قانون دینے والا ہے۔ اسلامی حکومت اور انسانی فائدے کے قوانین خود خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں۔ایسے قوانین بنانے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں کر سکتا۔دیگر تمام مقبول سیاسی نظاموں میں، اعلیٰ ترین اتھارٹی ایک فرد، تنظیم یا ادارہ ہے۔جمہوریت میں عوام سیاسی طور پر آزاد ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ سب سے زیادہ قانونی اتھارٹی ہوتی ہے۔اسلامی ریاست میں اقتدار اعلی کا حق صرف خداوند قدوس کو حاصل ہے ۔اعلیٰ طاقت کا حقیقی مالک کائنات کا خالق ہے، کوئی انسانی ادارہ، کوئی طاقتور حکمران یا انسانی معاشرہ اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔قرآن پاک میں ہے

﴿ إن ٱلحُكمُ إلَّا للَّه ﴾ [1]

((سن رکھو کہ)خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔)

---

[1] یوسف: 40

اس آیت مبارکہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کی ہی حکومت ہے اور اس کے علاوہ کوئی حکومت قبول نہ کی جائے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[1]

(یوں عرض کرو، اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بیشک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں بادشاہت اور ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مفسرین کرام جب اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو وہ برملا حاکمیت اللہ کا اقرار کرتے ہیں۔ زمین وآسمان میں اُسی کی حکومت ہے' یعنی تکوینی حکومت بھی اُسی کی ہے اور تشریعی حکومت بھی اُسی کی ہونی چاہیے۔ جبری دنیا میں بھی اُسی کی حکومت ہے اور اِختیاری دنیا میں بھی اُسی کی حکومت ہونی چاہیے۔ تکوینی حکومت بھی ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور اُس کی شریعت بھی عیب سے پاک ہے۔ چونکہ وہ حکیم اور علیم ہے، اسی لیے ہر دو دائروں میں اس کے احکام کامل علم اور کامل حکمت پر مشتمل ہیں۔ اللہ نے اِنسان کو آزادیِ اختیار عطا کی ہے اور پھر اُسے اپنے تشریعی احکام بھی عطا کیے ہیں اور اِنسان کو حکم دیا ہے کہ اِس اختیاری دائرے میں بھی ہم اُس کی شریعت پر عمل کریں۔

مسلم سیاسی مفکرین قرآن کے اس اصول کو بہت عمدگی اور تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ امام محمد غزالی اپنی کتاب التبر المسبوک فی نصائح الملوک میں عالمگیر حکمرانی کو رب العزت کی طرف سے عطیہ وانعام کہا ہے۔ اور اس اقتدار الٰہی کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا بنیادی قانون کہا ہے۔[2] امام ابوالحسن علی ماوردی اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قدرت کے اعلان سے کرتے ہیں۔[3] امام ابن تیمیہ بھی اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" کے مقدمہ کے آغاز میں اللہ کے احکامات کو واجب الاطاعت اور لازم قرار دے کر اس کی حاکمیت کا بیان کرتے ہیں۔[4]

مولانا مودودی اسلام کے تصور حاکمیت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

---

[1] آل عمران:26

[2] غزالی، محمد بن احمد، امام، التبر المسبوک فی نصائح الملوک، (تھران: کتب خانہ تہران، 1987ء) ص2-6

[3] الماوردی، ابو حسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، (بیروت: دار الحکمۃ، 2009ء)، ص:2

[4] ابن تیمیہ، تقی الدین ابن عباس احمد، السیاسۃ الشریعہ، (مصر: دار الدعوۃ الاسلامیۃ، 1997ء)، ص:3

"حاکمیت کا اسلامی تصور بہت واضح اور غیر مبہم ہے۔ خدا اس دنیا کا خالق اور اس کا اعلیٰ حاکم ہے۔ طاقت صرف اس کا حصہ ہے۔ انسانی خلیفہ کی حیثیت فقیہ کے نمائندے کی ہے اور سیاسی نظام کو اس اعلیٰ ترین حاکم کے قوانین کے تحت چلنا چاہیے۔ خلیفہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حکومتی قوانین کو اپنے اصل مقصد کے مطابق نافذ کرے اور سیاسی نظام کو اس کی ہدایات کے مطابق چلائے۔"[1]

بیسویں صدی کے مشہور مسلم مفکر و مفسر سید قطب شہید حاکمیت الٰہی کی بنیاد پر اسلام کے اجتماعی نظام کو دنیا کے دیگر نظاموں سے ممتاز۔ اور یکسر مختلف قرار دیتے ہیں [2]

علامہ محمد اقبال نے بھی ریاست و حکومت میں اقتدار اور حاکمیت کا ماخذ عوام کی بجائے ذات خداوندی کو قرار دیا ہے انھوں نے جمہوریت کے نظریہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کو مسترد کیا ہے، اسے غیر منطقی قرار دیا ہے۔[3]

محمد اسد درج ذیل آیت کو ذکر کر کے لکھتے ہیں

"Thus,the real source of power of all sovereignity is the will of God as manifested in the ordinances of the shari'ah."[4]

(یوں ہر اقتدار کا سرچشمہ خدا کی رضا ہے، شرعی احکام و اوامر اس کی وضاحت کرتے ہیں۔)

الغرض قرآن مجید کی آیات، مفسرین کرام کی تفاسیر اور مفکرین اسلام کی آراء اس بات کی دلیل ہیں کہ اصل حاکمیت صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کو ہی حاصل ہے۔ اسلام میں انسانوں کو عطا کردہ حکمرانی حقیقی حکمرانی کے مترادف کیسے ہو سکتی ہے وہ تمام کائنات کا حاکم و مالک ہے۔ جس کو جب تک چاہتا ہے ارضی حکمرانی عطا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے واپس لے کر کسی اور کو عطا کر دیتا ہے۔ جدید نظریہ انسانی اقتدار کے برعکس اقتدار و اختیار کا اصل منبع اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس سے یہ قانون باری تعالی بنا کہ اگر اللہ کے احکامات کے مطابق امور سلطنت نہ چلائے جائیں تو کسی وقت بھی حکومت کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست، (لاہور: ترجمان القرآن، 2009ء) ص: 121

[2] سید، قطب شہید، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، (قاہرہ: دار الاحیاء الکتب العلمیہ، ت ن)، ص: 542

[3] اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، 2000)، ص: 290

[4] Muhammad Asad, The Principles of State and Government in Islam,p:83

2۔ انسانوں کو ریاست و حکومت بطور خلافت

ریاست اور حکومت کی طاقت کچھ عرصہ اور محدود وقت عوام کو دی جاتی ہے۔ خواہ یہ اقتدار کسی فرد کے ہاتھ میں ہو یا لوگوں کے کسی گروہ کے ہاتھ میں، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کے حضور میں ہے۔ اس کا احتساب ہونا چاہیے۔: سورہ الانعام میں ہے

﴿وهو الذي جعلكم خلائف الأرض ورفع بعضكم فوق بعض درجات ليبلوكم في ما آتاكم إنّ ربّك سريع العقاب وإنّه لغفور رحيم﴾[1]

(اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش ہے بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔)

مفسر ابن جریر طبری "جامع البیان" میں اس آیت کی تفسیر میں کچھ یوں رقمطراز ہیں:

"ليختبركم فيما خوّلكم من فضله ومنحكم من رزقه، فيعلم المطيع له منكم فيما أمره به ونهاه عنه والعاصي؛ ومن المؤدّي ممّا آتاه الحقّ الّذي أمره بأدائه منه، والمفرط في أدائه."[2]

(تاکہ وہ آزمائے تم کو اس چیز کی فضیلت دی، رزق دیا ہے۔ پس جان لے تم میں سے اطاعت کرنے والے کو اپنے حکم کی اور اپنی منع کردہ چیزوں کی، اور نافرمانوں کو بھی جان لے، ادائیگی میں کو تاہی کرنے والوں کو۔)

مسلم مفکرین بھی قرآن و سنت کی تعلیمات سے یہی استدلال کرتے ہیں کہ ارضی اقتدار و اختیار دراصل خدا کی امانت ہے۔ جسے اسے خدا ترس، دیانتدار اور انصاف پسند لوگوں کے سپرد کیا جائے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ من مانی یا خود غرضی کے سبب اس امانت کو واپس لے۔ اور جن کے پاس ہے وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ مولانا مودودی اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں رقم طراز ہیں:

---

[1] الأنعام:165

[2] الطبري، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير، جامع البيان في تأويل القرآن، (بيروت: مؤسسة الرسالة، 1420ھ)۔289/12

"قرآن کے مطابق انسانی حکومت کی صحیح شکل صرف ریاست کے لیے ہے کہ وہ خدااور رسول کی قانونی بالادستی کو تسلیم کرے،اس کے حق میں حاکمیت سے دستبردار ہو جائے،اور ایک سچے کی قیادت میں خلافت (نمائندگی) کا منصب سنبھالے۔ لہٰذااس کے اختیارات خواہ قانون سازی ہوں، عدالتی ہوں یاانتظامی،ان حدود تک محدود ہونے چاہئیں جو خدااور اس کے رسول کی طرف سے متعین ہوں۔" [1]

اسلام میں انسانوں کو عطا کردہ حکمرانی حقیقی حکمرانی کے مترادف کیسے ہو سکتی ہے،اسے نیابتی عہدہ کہتے ہیں۔ جس کو بھی عطا کیا جاتا ہے اس کے سپرد ایک امانت کی جاتی ہے جس کے حوالے سے وہ جوابدہ ہوتا ہے۔ اقتدار کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کو شریعت کے اوامر واحکام میں بالصراحت بیان کر دیا گیا ہے۔ ملت اسلامیہ کو جو اقتدار ملتا ہے اس کی حیثیت نیابتی و تفویضی ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں بطور امانت عطا ہوا ہے۔انسان کو کائنات کا واحد اختیار والا سمجھا جاتا ہے جو آزادی اور مرضی کے ساتھ دنیا مین زندگی گذار سکتا ہے۔ یہ اعزازات اور اختیارات عوام کو معلق ٹرسٹ کی صورت میں دیے جاتے ہیں اور عوام اس امانت کی ذمہ داری اس کے حقیقی مالکان کو دیتے ہیں۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا

﴿وإذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [2]

(اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کیا تُو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

سیاق وسباق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے ایک طرف تو اس اعلان سے در حقیقت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی حقیقت بیان ہوئی ، اس دنیا میں اولاد آدم کی حیثیت متعین ہوئی۔اس آیت کو آیت خلافت بھی قرار دیا گیا۔

علامہ آلوسی کے خیال میں خلیفہ وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کے بعد آئے،اس کا نائب ہو ۔ یہاں یہ مبالغہ کے لئے ہے اور یہاں آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کے نائب ہیں جس طرح ہر رسول و نبی زمین کی

---

[1] مودودی،ابوالاعلی، مولانا، خلافت وملوکیت، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2001ء)، ص:32

[2] البقرۃ: 30

آبادکاری، لوگوں کے سیاسی مسائل اور ان کے نفوس کے تکمیل اور احکام کی تنفیذ پر معمور رہے۔[1]

قرآن مجید کی تعلیمات اور سنت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہوا کہ دین نبوی علیہ السلام حکمرانی و خلافت دراصل نیابت و امانت کو کہتا ہے۔ اقتدار ازلی و ابدی نہیں بلکہ امانت اور آزمائش ہے۔ جو شخص صاحب اقتدار ہے خدا کے ہاں جوابدہ ہے۔ اس ذمہ داری کو ٹھیک سے انجام نہ دینے والے کا انجام آخرت میں برا ہوگا۔ صاحب اقتدار اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرتا ہے اور عوام کو احکامات الٰہیہ پر عمل کرنے کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے۔

3۔ قرآن بطور قانونِ خداوندی:

انسانی زندگی کے لیے جو آئین اور قوانین ضروری ہیں وہ خدا، حقیقی حاکم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا کیے تھے۔ کسی فرد یا افراد کے گروہ یا قانون ساز کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قانون قرآن مجید میں مکمل طور پر موجود ہے اور اس کی صحیح، زبانی اور عملی وضاحت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس خدائی قانون کی پابندی کریں اور ان قوانین کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نافذ کریں۔ وہ قانون نہیں بنا سکتا۔ اگر وہ اس قانون سے انحراف کرتا ہے تو وہ اپنے حقیقی مقام (خلیفہ اللہ) سے انحراف کرتا ہے اور اپنے رب (اللہ) سے بغاوت کا گناہ کرتا ہے۔ تاہم جن مسائل یا پر شریعت خاموش ہے یا نئے مسائل اٹھائے جاتے ہیں ان کے بارے میں قواعد وضع کرنے کی ضرورت ہے اور ان قواعد کو اس طرح وضع کیا جانا چاہیے کہ وہ مذہبی اور روحانی معیارات کے مطابق باہمی طور پر فائدہ مند ہوں۔ مشاورت کے ذریعے طے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾[2]

(بیشک ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا

---

[1] آلوسی، شہاب الدین محمد، روح المعانی (بیروت: دار الفکر، 1997ء) 220/1

[2] المائدۃ: 44

اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنااور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینااور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے توایسے ہی لوگ کافر ہیں)

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾[1]

(جو(کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرواور اس کے سوااور رفیقوں کی پیروی نہ کرو(اور) تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو)

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[2]

(جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ (سن رکھو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

آئین کا بنیادی ماخذ خدا کی کتاب ہے جو بنیادی اصولوں کو بیان کرتی ہے۔ انسان کو اپنے حالات کے مطابق اپنے لیے ان اصولوں پر مبنی نظام وضع کرنا چاہیے۔

﴿قُلْ إِنِّي عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ﴾[3]

(کہہ دو کہ میں تو اپنے پروردگار کی دلیل روشن پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے (ایسا) حکم اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔)

بیسویں صدی کے نامور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی غرض وغایت یہ لکھتے ہیں:

---

[1] الأعراف:3

[2] یوسف:40

[3] الأنعام:57

"آپ کے درمیان جو بھی اختلافات ہیں، خدا کو فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ اگر کسی معاشرے کا پورا نظام خدا کی حکمرانی میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہاں خدا کا دین قائم ہو چکا ہے اور اس معاشرے میں توحید کا نفاذ ہو چکا ہے۔ لہٰذا، خدا کی مرضی اور اس کے قوانین کے مطابق حکومت بنانے کا نام "مذہب قائم کرنا" ہے۔"۔[1]

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کوئی بھی ریاست اس وقت تک صحیح معنوں میں اسلامی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے آئین میں ایسا قانون موجود نہ ہو جس میں کہا گیا ہو کہ عوامی معاملات پر تمام شرعی قوانین ہر قسم کی قانون سازی کی ایک شکل ہیں۔ دستور کے اندر اس چیز کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ کوئی وقتی یا ہنگامی قانون یا انتظامی حکم خواہ اس کا تعلق لزوم سے ہو خواہ رخصتی امور سے، کسی طور درست تصور نہ کیا جائے گا اگر وہ شریعت حق کے کسی تقاضے سے متصادم ہو گا۔[2] قرآن کی آیات اور ان سے اخذ و اکتساب پر مبنی مفسرین اور مفکرین کی آراء اس اصول کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلامی ریاست میں کوئی بھی قانون خدا اور اس کے رسول ﷺ کے طے کردہ اصول و قوانین سے متضاد نہیں ہو سکتا۔ اس کا بنیادی حق خدا اور وخدا کے نبی علیہ السلام کے پاس ہے۔ مسلمان حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ ان کے طے کردہ بنیادی اصول و قوانین کی روشنی میں ہی ریاست کے دستور و قانون کو تشکیل دیں۔

4۔ منصب رسالت بطور ماخذ قانون

قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت نبی کی اطاعت ضروری ہے اور چونکہ نبی آخری نبی ہیں اس لیے وہ مکمل اطاعت و فرمانبرداری کے مستحق ہیں۔ اس لیے قرآن کو زندگی کا قانون سمجھا جاتا ہے اور رسول کو عمل کے لیے مثالی نمونہ ہے۔ اطاعت فرض ہے اور رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾[3]

(اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول (خدا) بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو خدا کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔)

---

[1] اسرار، احمد،، بیان القرآن، (پشاور: انجمن خدام القرآن، 2015،) 27/4

[2] Muhammad Asad, The Principles of State and Government in Islam, p: 69

[3] النساء:64

پس قرآن مجید کے مطابق رسول کو دنیا میں مبعوث کیا۔ان کو تمہارے لئے بہترین نمونہ بنایا۔اب اس کی بجا آوری لازم ہے۔ وہ جو احکامات صادر کرے۔ جو تعلیمات دے ان کی پیروی ضروری ہے۔ لہذا کوئی اس کے پیروی نہیں کرتا، اطاعت نہیں بجالاتا تو دراصل وہ رب کائنات کے حکم سے سرتابی کر رہا ہے۔اسی طرح مزید ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[1]

(تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔)

اس آیت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایمان کے لیے ضروری شرط ہے۔آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔اس لیے مسلمان حکمرانوں کو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اور وفاداری کو بڑے واضح اور موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔یہ سب پر قیامت تک کے لیے لاگو ہوتا ہے اور ایمان کی بنیاد ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے نزدیک کافر قرار پاتا ہے۔ وہاں وہ اطاعت قبول کی جائے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع پر مشتمل ہو اور وہ فرمانبردار، فرمانبردار ہوگا جس کے پاس غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند ہوگی۔[2]

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾[3]

(اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔)

اسلام کا بنیادی اصول اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔۔اگر کوئی شخص اپنے کام کو اللہ کے رسول کے

---

[1] النساء:65

[2] الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2011ء)، 429/1

[3] انساء:69

حکم کے مطابق نہیں کرتا یا آپ کے حکم کو قانونی حیثیت نہیں دیتا تو وہ خدا کے احکامات کا انکار کر رہا ہے

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾[1]

(جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے گا تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔)

مسلمان حکمران خدا کے رسول کی اطاعت کے پابند ہیں۔ تنازعات کے حل کے لیے ان کی تعلیمات کا حوالہ دیں۔ ورنہ ان کا ایمان صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے کام کو اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق نہیں کرتا یا آپ کے حکم کو قانونی حیثیت نہیں دیتا تو وہ خدا کے احکامات کا انکار کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ہر فرد بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ضمیر کے مطابق رائے کا اظہار کرتا اور حکومت کی کارکردگی پر بے لاگ تبصرہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اب جو لوگ اپنے دعوے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں انہیں خدا اور اس کے رسول یعنی قرآن و سنت سے ثبوت لانا ہوں گے۔ میرا انتخاب "میرا خیال"، میری نظریاتی دلیل قبول نہیں کی جاتی۔ تحفظات کی بنیاد خدا اور اس کے رسول کی مرضی ہے۔

---

[1] النساء:80

5۔ شورائیت

شوریٰ اسلام کی سب سے اہم اور بنیادی اقدار میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ہمہ گیر قدر ہے جس کا انسانی زندگی کے ہر گوشے اور پہلو سے گہرا تعلق ہے، چاہے وہ انفرادی زندگی ہو یا خاندانی زندگی، سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی۔ شورائیت واقعی ایک انسانی اور فطری قدر ہے، حالانکہ یہ ہر ثقافت، ہر قوم اور ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اسلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ شریعت کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ گویا اب یہ ایک ضروری فریضہ بن چکا تھا۔ جب کہ ریاست کے اجتماعی امور باہمی مشاورت سے چلتے ہیں، بہترین سماجی، معاشی، تعلیمی اور سماجی حکمت عملیوں کا انتخاب انصاف کے ذریعے کیا جاتا ہے، جو سب کے لیے آزادی، اخوت اور بھائی چارے کا تحفظ کرتا ہے اور اس کا تعین انصاف سے ہوتا ہے۔ آپ کے اندر ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو معاشرے کی بھلائی کی ہدایت کرے اور برائیوں سے روکے تاکہ معاشرے کی بھلائی پروان چڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾[1]

(اے محمد ﷺ) خدا کی مہربانی سے تمہارا مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے۔ اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان کو معاف کردو اور ان کے لئے (خدا سے) مغفرت مانگو۔ اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔ اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کرلو تو خدا پر بھروسا رکھو۔ بے شک خدا بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

﴿ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾[2]

(اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ اور اپنے کام

---

[1] آل عمران:159

[2] الشوریٰ:37-38

آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

مندرجہ بالا آیات قرآنی اس بات کی دلیل ہیں کہ حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ امور سلطنت انجام دیتے ہوئے اپنے نائبین سے مشورہ کر لیا کریں۔رب العزت اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے امور مشاورت سے سرانجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے پورے دور میں مجلس شوری نے ہر اہم معاملے میں فیصلے کیے۔ یہ شورائیت کسی خاص علامتی دیوان تک محدود نہیں رہتی تھی بلکہ حقیقی آزادی رائے سے مزین، عوام کا یہ اختیار، عملی لحاظ سے ثابت ہوتا رہا۔ شوریٰ کا ادارہ ایک متحدہ متفقہ اجتماعیت کا ایسا ادارہ رہا کہ جہاں ہر فرد بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ضمیر کے مطابق رائے کا اظہار کرتا اور حکومت کی کارکردگی پر بے لاگ تبصرہ کرنے کا مجاز ہوتا،اس کی رائے، عصر جدید کی سیاسی پارٹی بازی کے برعکس، کسی سیاسی مفاد اور طبقاتی وابستگی کی آلودگی سے بالاتر ہوتی جو بلا کم و کاست ایوان میں پیش ہوتی۔

مولانا مودودی ان آیات کی روشنی میں یہ تجویز کرتے ہیں کہ

" ریاست کا پورا کام، اس کی تاسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت اور اولی الامر کے انتخاب اور تشریعی و انتظامی معاملات تک، اہل ایمان کے باہمی مشورے سے چلنا چاہیے، قطع نظر اس سے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے۔" [1]

مملکت اسلامیہ کے وجود کا انحصار رائے عامہ کی اساس پر ہے اور رائے عامہ ہی اس کے نظم و ضبط کی پابند ہے اور یہ اقتدار و اختیار در حقیقت خداوند کریم کی ذات سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ حکم مشاورت سے مراد یہ ہے کہ حکومتی معاملات ہر پہلو سے، خواہ حاکمہ سے متعلق ہوں، خواہ مجلس قانون ساز سے، قوم کے مسلمہ نمائندوں کے باہم مشوروں سے انجام پانے چاہیں۔ قرآن حکیم کا یہ ایک واضح حکم ہے اور اپنے اندر اس قدر جامعیت رکھتا ہے کہ سیاسی زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور یہ حکم اس قدر واضح اور غیر مبہم ہے کہ مطلق العنانیت کے زور پر کی گئی کوئی بھی تعبیری کوشش اس کے مفہوم میں تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔اس کے حکم میں لفظ "امر "اجتماعی نوعیت کے تمام امور کی طرف اور اس طرف بھی جس میں اسلامی ریاست کی حکومت قائم کی جاسکتی ہے اشارہ کرتا ہے یعنی انتخابی اصول، جو تمام سرکاری اختیارات کی کلیدی کڑی ہے۔ نیز اس ارشاد کی صورت یوں رکھی گئی ہے کہ مسلمانوں کے جملہ اجتماعی کاروبار حیات باہم مشاورت سے انجام پاتے ہیں۔

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ص: 37

حکمرانوں کو مشاورت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنے امور باہم مشورے سے طے کریں۔ یہی حکم الٰہی اور سنت رسول ﷺ ہے۔ خلفائے راشدین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ کیونکہ وہ مطلق العنان نہیں ہیں کہ ان کا ہر حکم من وعن واجب التعمیل قرار پائے۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ کا ہر حکم اطاعت کے درجے میں واجب قرار پایا مگر پھر بھی آپ نے صحابہ کرام کی مشاورت کو ہمیشہ اختیار کیا۔ لہذا اسلامی ریاست میں والی ریاست اہم امور میں مشورہ لینے کی عادت اپنائیں۔

6۔ اولی الامر

حکومت اور معاشرے کے درمیان حاکم اور محکومیت کا رشتہ ہوگا لیکن ان کا حکم خالق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کی روشنی میں اللہ کے رسول کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا اور تیسرے درجے پر اجتماعی امور کے ذمہ دار افراد کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ ذمہ دار کا مندرجہ بالا مقاصد کے فریم ورک کے اندر باہمی رضامندی سے انتخاب کیا جائے گا اور بصورت دیگر عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[1]

(خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بے شک خدا سنتا اور دیکھتا ہے۔ مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔)

[1] النساء:58-59

امیر کی اطاعت صرف اس وقت خاص ہے جب ایسے احکامات دیے جائیں جو شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ اس آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے، یہ اپنے اعلیٰ افسران سے انصاف کا مطالبہ کرنے کے حکم کے بعد خدا کے حکم پر قائم ہے۔ یہ ایک تنبیہ ہے کہ جب تک کوئی نیک ہے اطاعت لازم ہے[1]۔

قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ علماء اور بزرگان کی اطاعت ضروری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اللہ کی اطاعت کرو، یعنی اس کی کتاب کی پیروی کرو اور رسول کی اطاعت کرو، یعنی اس کی سنت پر عمل کرو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو، یعنی ان امور میں جن میں وہ تمہیں اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ "اطاعت اور اگر وہ تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانو، کیونکہ اس مخلوق کی اطاعت کرنا غلط ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی ہو۔[2]

درج بالا سے ثابت ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم اس وقت تک ہے جب تک وہ حق کے موافق رہیں اور اگر وہ حق کے خلاف حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔۔ یہی حکم الٰہی اور سنت رسول ﷺ ہے۔ خلفائے راشدین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ کیونکہ وہ مطلق العنان نہیں ہیں کہ ان کا ہر حکم من وعن واجب التعمیل قرار پائے۔ اس قانون سے وہ لوگ خود بخود خارج ہو جاتے ہیں جو شریعتِ مطہرہ کے معاملات میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد و نظریات کے خلاف نظریات پیش کر کے گمراہی پھیلاتے ہیں۔۔ لیکن اسلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ شریعت کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ گویا اب یہ ایک ضروری فریضہ بن چکا تھا اسی طرح اس قانون سے وہ حکمران اور امراء بھی خارج ہو جاتے ہیں جو خلافِ شریعت قوانین بنا کر عوام الناس کو اس کے مطابق چلنے پر مجبور کرتے ہیں۔

---

[1] پانی پتی، قاضی محمد ثناءاللہ، تفسیر المظہری (لبنان: دار الاحیاء التراث العربیہ 2004ء) 152/2

[2] ،ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، (ریاض: دار طیبہ 1420ھ) 345/2

7۔ قرآن کے مطابق کثرت رائے کا اصول

قرآن کریم مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا تعالی نے کبھی بھی اکثریت کو سچائی اور حقیقت کے معیار کے طور پر استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس پوری تاریخ میں زیادہ تر لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہمیشہ حق پر تھا۔ مخالفت اور دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت کو نہ کبھی قانون کا معیار قرار دیا گیا ہے اور نہ کبھی دیا جائے گا، لیکن اس کے برعکس اکثر لوگ ہمیشہ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان اور انصاف پر یقین رکھتے ہیں، بہت کم لوگ عمل کرتے ہیں۔. بہت کم لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کے نزدیک اس سلسلہ میں عوام الناس کی اکثریت کو ہر فیصلے کا اختیار دینا دنیا اور آخرت کے حوالوں سے مفید نہیں ہوگا:[1]

﴿قُلْ إِنِّي عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ﴾[2]

(کہہ دو کہ میں تو اپنے پروردگار کی دلیل روشن پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے (ایسا) حکم اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔)

﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾[3]

((کہو) کیا میں خدا کے سوا اور منصف تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا

---

[1] علوی، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، ص19

[2] الأنعام:57

[3] الأنعام:114-116

جانتا ہے اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں خدا کا رستہ بھلادیں گے یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔)

مندرجہ بالا آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے: اگرچہ جدید معاشرہ اکثریت کی رائے پر انحصار کرتا ہے، لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ایک طرح کا تعاون اور بے بسی ہے، کیونکہ مادیت پرست معاشرے میں قوانین کی وضاحت اور اس کا حل نکالنا ضروری ہے۔ کوئی بھی قانون مسائل اور اعتراضات سے خالی نہیں ہے۔اسی وجہ سے بہت سے دانشور اکثریت کی رائے کو قبول کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ ان کے پاس ایسا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، حالانکہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اکثریت کی رائے زیادہ تر مسائل میں غلط ہے۔امام کا تعین کرتے وقت یہ نقطہ نظر ناقابل قبول ہے۔تاہم، ایک ایسے معاشرے میں جہاں لوگ انبیاء پر ایمان رکھتے ہوں، وہاں قوانین بنانے کے لیے اکثریت کے مجبور ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ انبیاء کے قوانین اور نظام اللہ تعالیٰ کے بندے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ان قوانین میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ درحقیقت اس مذمت اور الزام کے ذریعے قرآن پاک خطرناک سوچ کا تدارک کرتا ہے اور تمام انسانیت کو پیغمبر خدا کے قوانین کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاکہ وہ اس صالح گروہ میں شامل ہو کر اپنے آپ کو اور آج کے لوگوں کو بچا سکیں۔

فصل دوم

ریاست مدینہ سے ماخوذ حکمت عملی

جب مکہ کے کفار نے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے پیغام امن کو یکسر مسترد کر دیا تو رب العزت کے حکم سے ہجرت کی۔ مدینہ کے لوگوں نے شاندار استقبال کی مثال قائم کر دی اور اس کا نام مدینہ النبی علیہ السلام رکھا گیا۔

سنت سے ماخوذ اصولِ سیاست و ریاست

سنت نبوی اور احادیث کی روشنی میں کچھ عمومی اصول سیاست و ریاست درج ذیل ہیں۔ اسلامی ریاست میں ان کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

1۔ انسان کی حکمرانی امانت و نیابت ہے۔

احادیث نبوی ﷺ میں آتا ہے کہ حکمران دراصل اپنی رعایا کا نگہبان ہوتا ہے اور قیامت کے روز اس کو اس نگہبانی کا حساب دینا ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے:

((أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِه، فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وهُو مسئولٌ عَنْ رَعِيَّتِه))[1]

(آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام (امیر المؤمنین) لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔)

اس فرمان نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ حکمران کو کسی قسم کی چشم پوشی حقوق کی ادائیگی میں نہیں کرنی چاہیئے۔ اور ہر لحاظ سے رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے۔ حکمران حقیقت میں اپنی رعایا کا نگہبان ہوتا ہے اور قیامت کے روز اس کو اس نگہبانی کا حساب دینا ہوگا۔

---

[1] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الامارہ ح 7138

2۔ قانون سازی کا اختیار :

اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک حکمران کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی علیم کے بنائے ہوئے اصولوں کے خلاف اپنی مرضی سے قانون سازی کرے۔ جن امور میں اللہ اور اس کے رسول صلی اہم نے کوئی صریح حکم نہ دیا حکم نہ دیا ہو ان میں روح شریعت اور مزاج اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے، قانون بنانے کا حق اہل ایمان کو حاصل ہے، کیونکہ ایسے امور میں کسی صریح حکم کا نہ ہونا بجائے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کے متعلق ضوابط واحکام مقرر کرنے کا قانونی حق اہل ایمان کو دیا گیا ہے۔

((- إذا حكَم الحاكمُ فاجتَهَد ثمَّ أصاب فله أجران وإذا حكَم فاجتَهَد ثمَّ أخطأ فله أجر))[1].

(اگر کوئی حاکم کوئی فیصلہ کرے اور محنت کرے اور پھر اسے درست کر لے تو اسے دو اجر ملیں گے، اور اگر وہ کوئی حکم کرے اور کوشش کرے اور پھر غلطی کرے تو اسے اجر ملے گا حقیقت ہے۔)

الغرض اسلامی تعلیمات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حاکم کو قانون سازی کا مشروط اختیار حاصل ہے۔ اگر کسی معاملے میں قرآن وسنت سے براہ راست حکم اخذ نہ ہو رہا ہو تو حکمران قرآن وسنت کے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے دستور و قانون طے کر سکتے ہیں۔

3۔ طلبِ حکمرانی :

سنت کی رو سے اگرچہ حکمران کے انتخاب کا طریقہ مختلف ہو سکتا ہے مگر یہ ذمہ داری کسی ایسے شخص کو عطا نہیں کی جاسکتی جو اس کا طلبگار ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

((لا تسال الإمارة، فإنك إن اعطيتها عن مسالة اكلت إليها، وإن اعطيتها عن غير مسالة اعنت عليها "))[2]

---

[1] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب أجر الحاکم إذا اجتھد فأصاب أو أخطا (حدیث رقم: 7352)

[2] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الامارہ، ح 2060

(اے عبدالرحمن حکومت کی طلب نہ کرو اس لئے کہ اگر تمہیں مانگنے پر ملے تو اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے اور اگر بغیر مانگنے کے ملے تو تمہاری مدد کی جائے گی)

4۔اطاعت رسول ﷺ واولی الامر:

اولی الامر کی اطاعت اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت سے مقید ہے، لہذا اللہ ورسول ﷺ کی مطلق اطاعت کریں اور اولی الامر وحکمراں کی اطاعت شریعت کی اطاعت سے مشروط کرکے کیا کرو۔اگر حکمران اور عوام کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اس کے حل کے لیے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

((من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن أطاع الأمير فقد أطاعني ومن عصى الأمير فقد عصاني))[1]

(جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔)

---

[1] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام، ح7137

ریاست مدینہ سے ماخوذ حکومت کے اسلامی اصول

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے چھوٹے سے شہر میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔اس سے نہ صرف ایک شہر بلکہ پوری ریاست کو چلانے کے بنیادی اصول ملتے ہیں۔اس سے استنباط کئے گئے قوانین سے مسلم و غیر مسلم مکان و وقت کی قید کے بغیر قیامت تک فائدہ ملکی واجتماعی معاملات میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

1۔ قیام ریاست:

سب سے پہلے مدینہ میں ریاست کے قیام میں جو امور سرانجام دیئے ان میں سے دارالخلافہ جگہ کا انتخاب کیا گیا۔

دارالخلافہ کی تعمیر کی گئی۔رسول اللہ ﷺ تمام محلوں میں گئے، قبیلے کے سرداروں اور سے مشورے کے بعد جبل سلع دارالخلافہ قرار دیا۔[1]

مدینہ کی حدود کا تعین کیا گیا۔نبی کریم علیہ السلام نے اس شہر کی حدود کو متعین کیا۔کیوں کہ کسی بھی ریاست کے قیام اور قوانین کو لاگو کرنے کے لئے خطہ زمین کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ اس دستور کے ذریعے سے شہر مدینہ ایک حرم اور ایک سیاسی وحدت یا ایک شہری مملکت قرار دیا گیا۔حرم کا سیاسی مفہوم یہ تھا کہ وہ اس شہری مملکت کے حدود کا تعین کرتا تھا۔[2]

خانہ جنگی اور کو انتشار ختم کیا گیا۔شہر کے حدود کے تعین اور حرم قرار دینے سے انتشار کا خاتمہ یقینی تھا۔اس طرح نبی مکرم علیہ السلام کو ایک علاقہ پر حکومت کرنے اور اللہ رب العزت کے ریاستی قوانین کو نافذ کرنے کے لئے تجربہ گاہ میسر ہو گئی۔جو بعد میں پورے جزیرۃ العرب تک پھیل گئی۔

مسجد نبوی اور صفہ کی تعمیر کی گئی۔دارالخلافہ کے عین وسط میں ایک مسجد بنائی گئی۔مسجد مسلمانوں کی عبادات، اجتماع، مشاورت کے لئے استعمال کی جاتی۔اور صفہ جو مسجد کے ایک کنارے میں قائم کیا گیا وہ ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

---

[1] ملک، محمد اسلم، مدینہ کی قدیم تاریخ نقوش، (لاہور۔رسول پیغمبر 1984ء۔) , 2/ 440.

[2] حمید اللہ, ڈاکٹر، عہد نبوی کے میدان جنگ (لاہور, ادارہ اسلامیات 1982 ء) : 21تا26

مواخات کا قائم کی گئی۔ جو لوگ ہجرت کر کے مکہ تشریف لائے ان کی رہائش اور ذریعہ آمدنی کا بندوبست بہت ضروری تھا۔ اس کا انتظام "مواخات" قائم کر کے کیا گیا۔ جس سے مہاجرین رہائش اور کاروبار میسر ہوئے۔

مدینہ کو فوجی علاقہ قرار دیا گیا۔ مسلمانوں پر ہر وقت کفار کے حملے کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس کے لئے مدینہ میں جنگی تربیت کا انتظام کیا گیا۔ ہر شخص کو جہاد کے لئے تیار رہنے کی ہر وقت تیار رہنے کی خصوصی ہدایات دی جاتی تھیں۔ مدینہ کے بازار کا قیام کیا گیا۔ کسی بھی ریاست کے لئے اس کے بازار بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے لئے قریب ہی اس کا اہتمام کیا گیا۔[1]

اس طرح رسول اللہ علیہ السلام پہلی اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے لئے تمام مطلوبہ اہم معاملات سرانجام دیئے۔

2۔ آئین ریاست:

ریاست کے عوام اور خطہ ارض کے تعین کے بعد ریاست کو چلانے کے لئے آئین کی تیاری پر غور و فکر اور مشورہ شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں مدینہ میں آباد یہود سے بھی گفت و شنید کی گئی اور قلیل عرصہ میں ایک جامع اور متفقہ آئین میثاق مدینہ نافذ کر دیا۔

میثاق مدینہ:

یہ پہلا دستور تھا جس کی 52 شقیں تھیں۔ اس وقت مدینہ کی آبادی 24 محلوں پر مشتمل تھی۔ محمد ابن السعد نے ذکر کیا ہے کہ میثاق مدینہ کو کتاب اور صحیفہ کا نام دیا گیا ہے۔[2]

اس میں اطاعت نبی علیہ السلام کا سب کو پابند کیا گیا ہے اور سب کو ایک اکائی اور متحد کے کے سیاسی وحدت قائم کی گئی۔ حاکمیت اعلی اللہ تعالی کو قرار دیا گیا۔ اگر کوئی عدالتی مسئلہ قبیلے کی سطح پر حل نہ ہوتا تو آخری فیصلے کا اختیار نبی اللہ علیہ السلام کو دیا گیا۔ سب سے زیادہ اہمیت امور جنگ کو دی گئی۔ صلح کے معاملات کو بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ سب کو وعدہ وفا کرنے کی تلقین کی گئی۔ ہر شخص کو پناہ کا حق دیا گیا۔ بعض معاملات میں قدیم طریقہ کو باقی رکھا گیا جیسے قتل کا قصاص۔ اس معاہدے میں یہود کو جنگ و صلح میں حلیف بنایا گیا۔ اس وقت یہود کے دس قبائل تھے جن کو

---

[1] البلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، (کراچی، نفیس اکیڈمی، 1986ء) 22-28-29

[2] ابن السعد، محمد بن عبداللہ، الطبقات الکبریٰ، (بیروت: دار الفکر، 1994ء)، 72/2

تحریر کیا گیا اور ہر ایک کے حق کو مقدم رکھا گیا۔ ان کے لئے بھی نزع کے حل کے لئے آخری عدالتی فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقتدر اعلی کی حیثیت سے نافذ مانا گیا۔ یہود نے حرم کی حدود پر اتفاق کیا۔[1]

میثاق مدینہ کے نفاذ کے بعد اس تقریبا دس ہزار کی آبادی والے شہر میں باقاعدہ منظم حکومت کا قیام ہوا۔ ان کے لئے بھی نزع کے حل کے لئے آخری عدالتی فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقتدر اعلی کی حیثیت سے نافذ مانا گیا۔ اگر کوئی عدالتی مسئلہ قبیلے کی سطح پر حل نہ ہوتا تو آخری فیصلے کا اختیار نبی اللہ علیہ السلام کو دیا گیا۔ ہر فریق پر اس معاہدہ کو وفا کرنے کی تلقین کی گئی۔

3۔ حکومت کی بنیادی ساخت:

کسی بھی ریاست کو منظم طریقہ سے چلانے کے لئے اس کا بنیادی ڈانچہ اور انداز حکومت بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے نبی اکرم علیہ السلام نے قرآنی اصول جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں جن مین اقتدار اعلی، انسانوں کو ریاست و حکومت بطور خلیفہ ملتی ہے، قانونِ خدا وندی یا شریعت، قرآن اور اکثریت کی رائے کا اعتبار، رسول ﷺ کی اطاعت، شورائیت، اولی الامر کی اطاعت پر کس طرح عملی صورت میں پیش کیا اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اب ہم اس انداز حکومت کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے عصر حاضر کے لئے سیاسی اصول کا استنباط کرتے ہیں۔

اقتدار اعلی :

رسول اللہ علیہ السلام نے قرآن اصول اقتدار اعلی کو عملی طور پر نافذ کیا اور ہر شعبہ سیاست میں اللہ تعالی کے مقتدر اعلی ہونے کو ملحوظ رکھا۔ جس بھی معاملے میں حکم اللہ تعالی آگیا من و عن اس کو نافذ کر دیا۔

معاہدہ بیت :

آپ علیہ السلام نے خدائے بزرگ و برتر کے عطا کردہ اختیارات کو (بطور شارع و شارح کے) استعمال کرتے ہوئے حاکمیت الٰہیہ قائم کی۔ اس حاکمیت کے قیام میں عوام الناس کی تائید میں و مرضی شامل کرنے کے لیے بیعت کا ادارہ قائم کیا معاہدہ بیعت دراصل ریاست کے باشندوں کی طرف سے حاکم وقت کی رضاکارانہ اطاعت اور اور شعوری محکومیت کے فیصلے کا اعلان تھا جسکی باقاعدہ آئینی و قانونی حیثیت متعین کی گئ۔ لغوی معنی کے اعتبار سے سودا اور

---

[1] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، (کراچی: اردو اکیڈمی 1981ء): ص 81، 75تا96۔

تجارت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ سلطان کے ساتھ اس لفظ کا استعمال دراصل حاکم کے ساتھ محکوم کے ،اقرار اطاعت کے معنوں میں ہوتا ہے [1]

آپ علیہ السلام نے پیروکاروں کو بیعہ عقبہ ثانیہ کا کہا اوراسے منعقد کیا گیا۔،12 نبوی کو آغاز ہوا، اہل یثرب کے بارہ نقیب نمائندے مقرر کیے اور یوں یثرب میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی معاہدہ بیعت کے الفاظ صراحتاً ذکر کرتے ہیں کہ یہ معاہدہ بظاہر اللہ کے رسول علیہ السلام اور انکے پیروکاروں کا ہے مگر اسکی حقیقت میں خالق اور مخلوق کا ہے۔جو بذریعہ نبی کیا گیا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [2]

(جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے۔ اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا.)

شورائیت :

حضور ﷺ کی سیرت کو دیکھا جائے تو مذہبی ،معاشی ،سیاسی ،انتظامی اور خاص طرر پر جنگی معاملات میں مشاورت کی مثالیں ملتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے اصول سیاست میں مشاورت کی تاکید فرمائی تو آپ نے قرآنی احکامات کا نفاذ، جن معاملات پر نص موجود نہ تھی مسلمانوں سے مشاورت کر کے نافذ فرمایا۔ ابوالاعلی مودودی نے لکھا ہے کہ

" مشاورت حکومت نبوی کا بنیادی اصول تھا۔"[3]

حضور ﷺ کی سیرت کو دیکھا جائے تو مذہبی ،معاشی ،سیاسی ،انتظامی اور خاص طرر پر جنگی معاملات میں مشاورت کی مثالیں ملتی ہیں۔ آذان کے لئے مشاورت کی گئی۔اس وقت کسی اہم امر کی طرف لوگوں کو بلانے اور متوجہ کرنے کا مختلف طریقے رائج تھے سائرن بجا کر،آگ جلا کر وغیرہ۔رسول اللہ علیہ السلام نے اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشاورت کی اور مروجہ آذان کا طریقے پر فیصلہ دیا گیا۔ جس کی رائے حضرت عبداللہ بن زید انصاری

---

[1] اصفہانی، حسین بن محمد ،المفردات فی غریب القرآن،(قاہرہ: مکتبہ ومطبعہ مصطفی۔1961ء) : 134-135

[2] الفتح:10

[3] مودودی: ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ص39

اور عمر بن خطاب فاروق نے دی۔اس بارے میں اور روایات بھی موجود ہیں۔اس وقت ایک اہم مسئلہ مسجد نبوی کی جگہ کا تعین کرنا تھا۔اس کے لئے بھی مشاورت کی گئی۔مہاجرین کے قیام اور ذریعہ معاش کے بندوبست کے لئے تاریخ انسانی کا عظیم معاہدہ مواخات بھی نبوی مشاورت کی مثال ہے[1]۔ جب یہود کو شکست ہوئی تو ان کی زمینوں کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہوا جس پر انصار کی رائے کو ترجیح دی گئی[2]۔حضرت محمد علیہ السلام نے واقعہ افک پر اپنے قریبی ساتھیوں سے مشاورت کی تھی۔حضرت ام سلمہ علیھاالرضوان کا حدیبیہ کے مقام پر قربانیاں ذبح کر کے واپسی کا مشورہ بارگاہ رسالت میں دیا۔جو اس نازک موقع پر قابل حل ثابت ہوا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو کچھ صحابہ علیہم الرضوان نے حضرت ابوسفیان کی معافی کی سفارش کی جو کہ مشاورت کے بعد مان لی گئی۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان کا گھر دارالامان قرار دینے کا مشورہ دیا۔جو کہ مان لیا گیا۔ [3]۔کفار مکہ کی طرف سے حملہ کا خطرہ موجود ہوتا۔اس لئے آپ علیہ السلام انصار و مہاجرین سے مشورہ کیا۔آیا کہ جنگ کی تیاری کی جائے اور کفار کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔تو جواب کا فیصلہ کیا گیا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار کے لشکر کے آنے اور مدینہ پر حملے کی اطلاع ملی تو مسلمانوں سے مشورہ کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ان کو بھرپور جواب دینے اور جنگ کرنے کی تھی مگر آپ نے مشورہ کو ترجیح دی۔ تو جن صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق کی ان میں حضرت ابو بکر و عمر و مقداد خراعی، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور حباب بن مندر خزرجی شامل تھے۔اس مشاورت کے بعد جنگ کا اعلان کیا گیا۔اور اس کی تیاری کا اعلان کیا[4]۔ حضرت حباب بن مندر خزرجی جنگی معاملات کے ماہر مانے جاتے تھے۔انھوں نے جنگ بدر میں جنگی حکمت عملی کے طور پر میدان میں تمام کنوؤں کو اندھا کرنے کی رائے دی جو کہ مان لی گئی۔[5] جنگ بدر میں قیدیوں کے بارے میں مشاورت کی گئی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

---

[1] ابن اسحاق، محمد، السیرہ النبویہ، (الرباط: معھد الدراسات والأبحاث للتعریب، المغرب العربي، 1979ء) ص234

[2] البلاذری، فتوح البلدان، ص220

[3] البلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف (مصر، دار المعارف، 2004ء) 355/1

[4] ابن اسحاق، السیرہ النبویہ ص 493

[5] واقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، (لندن: اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1966ء) ص 53

((فَاستَشَار رسولُ الله صلَّى اللهُ عَلَيه وعلى آله وسَلَّم أَبا بكْرٍ وعليًّا وعُمَرَ رَضي اللهُ عنْهم، فَقَالَ أَبو بكْرٍ رَضي اللهُ عَنْه: يا رسولَ الله، هٰؤُلَاء بَنو العَم والْعشيرة والْإِخوان؛ فَإِنّي أَرى أنْ تأخُذَ منْهم الفدْيةَ))[1]

(رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی۔ جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آپ کے رشتہ دار ہیں اس لئے فدیہ لے لیں ۔)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس رائے دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو رسول اللہ ﷺ نے قبول کیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو تسلیم نہیں کی گیا[2]۔اس موقع پر دو متضاد رائے موجود تھیں۔ایک رائے دفاعی حکمت عملی کی تھی کہ مدینہ میں مورچہ بند ہو کر لڑی جائے جن میں خود آپ علیہ السلام بھی شامل تھے جب کہ پر جوش صحابہ میدان یعنی حدود مدینہ سے دور جا کر لڑنے کی تھی۔ جن میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی، سعد بن عبادہ خزرجی، نعمان بن مالک وغیرہ کبار صحابہ شامل تھے۔ لیکن مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان والی رائے کو ترجیح دی گئی[3]۔ ایک بڑی سازش کے خاتمہ اور کعب کو جہنم واصل کرنے میں حضرت محمد بن مسلمہ سے رائے طلب ہوئی[4]۔خندق کھودنے کے معاملے میں حضرت سلمان فارسی کا مشورہ قبول کیا گیا [5]۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں قریش سے گفت وشنید کے لیے ایک سفیر کی ضرورت تھی۔اس کے بارے میں حضرت عثمان غنی کا مشورہ حضرت عمر نے دیا۔ غزوہ خیبر میں حضرت حباب کی رائے پر پہلے بعض درختوں کے کاٹنے کا حکم صادر ہوا تھا جو کچھ دیر بعد حضرت ابو بکر کے مشورہ پر منسوخ کر دیا گیا۔[6] جنگی معاملات میں اکثر و بیشتر حضرت حباب ابن مندر خزرجی کے مشورے کو شرف قبولیت ملتا تھا۔ چنانچہ بدر، خندق خیبر اور طائف کی لڑائی میں خیمہ کو نصب کرنے میں ان کی رائے کو ترجیح دی گئی۔ حضرت بشیر خزرجی کو حضرات شیخین کے متفقہ مشورہ پر امیر بنایا گیا

---

[1] القشیری، مسلم بن حجاج،،الجامع الصحیح (بیروت: دار الکتب،2010ء)، کتاب الجھاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم، ح.1763

[2] الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، (بیروت: المکتبہ التوفیقیہ، 1996ء) ص 474/2

[3] واقدی ، کتاب المغازی ، ص209

[4] واقدی، کتاب المغازی 187،

[5] ابن اسحاق السیرہ النبویہ 450

[6] واقدی ، کتاب المغازی 643

[1]۔جب کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حنین کے دوران جنگی طریقوں کی رائے دی اور حضرت سلمان فارسیؓ نے طائف کے محاصرہ کے دوران منجنیق کے استعمال کی رائے دی۔[2] ۔اوراس محاصرے کو ختم کرنے کامشورہ حضرت نوفل بن معاویہ نے دیاجو کہ مان لیا گیا[3]۔تبوک سے واپسی کا نبوی فیصلہ فاروقی مشورہ سے ہوا تھا[4]۔اس طرح مختلف مواقع پر مختلف صحابہ علیہم الرضوان کے مشورے کو قبول کیا گیا۔

مشیروں کا تجزیہ:

ان کی تعداد 50 کے قریب تھی۔ نبوی شوری دراصل تمام مسلمانوں کے لیے اصولاً کھلی ہوئی تھی مگر آپ عموماً مشورہ اہل رائے حضرات ہی سے لیتے۔ تمام کبار صحابہ اس مشاورت شامل ہوتے تھے۔ زمانہ قبول اسلام کو دیکھا جائے تو سابقین اولین بھی شامل تھے اور متاخرین بھی۔ خاص بات یہ کہ ان کی اکثریت جوانوں پر مشتمل تھی جبکہ بزرگوں میں سے صرف دو چار نام نظر آتے ہیں۔ علاقائی اور قبائلی نمائندگی کے لحاظ سے ان کی غالب اکثریت کا تعلق وسطی عرب کے قبائلی قریش وانصار سے تھا۔ان میں بعض موالی بھی شامل تھے اوران کی حیثیت کسی اعتبار سے بھی فروتر نہیں تھی۔

الغرض شوری نبوی صلی اللہ وعلیہ وسلم کی چند خصوصیات یہ تھیں، زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق تھی، وقت اور حالات کے مطابق عمل کیا ہر فرد کو مشورہ دینے کی اجازت تھی ، اصحاب رائے کی رائے کو اہمیت دی گئی،اس معاملہ کے ماہر شخص کو ترجیح دی گئی، عورتوں کو بھی مشورہ شامل کیا گیااوران کی رائے پر عمل بھی کیا گیا، نوجوانوں کو بھی مشورہ شامل کیا گیااوران کی رائے پر عمل بھی کیا گیا۔

عمال حکومت:

اس وقت ہر قبیلہ ایک ریاست کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کی اپنی حدود متعین ہوتی تھیں اوران کا ایک سربراہ منتخب ومقرر ہوتا تھا۔ جواس کے حکمران کی حیثیت رکھتا تھا۔اوران پر حکومت کرتا تھا۔ نبی کریم علیہ السلام نے بھی عرب کی اسی چیز کو دیکھتے ہوئے ریاست مدینہ کو چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا۔ جس کو ایک صوبے کا درجہ دیا۔اس سے

---

[1] ایضا 892

[2] البلاذری،انساب الاشراف 387/1

[3] الطبری ،تاریخ الامم والملوک 84/3

[4] واقدی ،کتاب المغازی 1019

ریاست مدینہ کی روز بروز بڑھتی ہوئی حدود اور آبادی کا انتظام اور کنٹرول آسان ہو گیا۔ ان پر ایک امیر مقرر فرماتے، وہ حاکم تصور ہوتا تھا۔ وہ احکامات کی پابندی کرتا۔ حکمران زیادہ تر انھی کے قبیلے اور علاقہ کا ہوتا تھا۔ اس کو یا مناسب سمجھتے تو کسی اور کو تعلیم دین، قیام نماز اور امامت کے لئے متعین فرماتے۔ عمال حکومت کی تقرری کے ساتھ ہی انکو تفصیلی ہدایات دیتے جن میں انکی ذمہ داری کا تعین، احساس ذمہ داری پر زور اور فرائض کی تفصیل بیان ہوتی

اس سلسلے میں ایک مثال معاذ بن جبل یمن کے نام آپ کا وہ وصیت نامہ جو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔۔

((إِنَّكَ ستأْتي قوماً أَهلَ كتاب، فإذَا جئتهم فادْعهم إلى أَنْ يشهدوا أَنْ لا إِلَهَ إلّا الله، وأَنَّ محمَّدًا رسولُ الله، فإِنْ هم أَطَاعُوا لَكَ بذَلك، فأَخبرهم أَنَّ الله قدْ فرض عليهم خمس صلَوات في كُلِ يوم وليلَة، فإِنْ هم أَطَاعُوا لَكَ بذَلك، فأَخبرهم أَنَّ الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذُ من أَغْنيائهم فتردُّ علَى فقرائهم، فإِنْ هم أَطَاعُوا لَكَ بذَلك، فإيَّاكَ وكَرائم أَموالهم، واتَّق دعوة الْمظْلُوم، فإنَّه لَيس بينه وبين الله حجاب)) -[1]

(تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس آؤ گے اور انہیں اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دو گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ اس کی بات مانیں تو انہیں سکھاؤ کہ اللہ نے پانچ چیزیں فرض کی ہیں۔ ہر دن رات ان کے لیے دعائیں کریں، اگر وہ اس پر عمل کریں تو انہیں سکھائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات پانچ نمازیں فرض کی ہیں، یہ ان کے ذمہ ہے کہ ان میں سے سب سے زیادہ امیر سے لے کر غریبوں کو لوٹا دی جائے۔ اگر وہ اطاعت کرتے ہیں تو اپنے مال کے وارثوں سے بچو اور مظلوم کی فریاد سے ڈرو کیونکہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔)

یہ ہدایات بین ثبوت ہیں کہ کہ ایک والی ریاست کی ذمہ داریوں میں قانون کا نفاذ، امن وامان، عام انتظام سلطنت، اشاعت اسلام مقدمات کے فیصلے، اور محصولات کی وصولی بھی شامل تھیں۔

[1] القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، ص 63ح121

حکام کی تبدیلی وتبادلہ،احتساب اور معزولی :

ضرورت پڑنے پر ان حکام کی تبدیلی اور تبادلہ فرماتے اور کارکردگی تسلی بخش نہ ہونے پر ان کا احتساب ہوتا اور معزولی بھی عمل میں آتی۔[1]

صوبائی انتظامیہ:

صوبائی انتظامیہ میں سب سے اہم، فعال اور طاقتور طبقہ ولی (گورنر) تھے، جنہیں اپنے صوبوں (صوبوں) میں مکمل خود مختاری حاصل تھی اور تمام فوجی، مالی، انتظامی اور مذہبی اختیارات حاصل تھے۔ خدا کی کتاب اور نبی کے احکام ایسے تھے کہ کوئی مسلمان حکمران اس سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔

جب مزید علاقے فتح ہوئے، حدود مدینہ سے بہت دور تھے تو ان کے والی مقرر کئے گئے۔ اور ان میں سب سے پہلے خیبر، تیماء، وادی القریٰ اور قری عربیہ کے علاقے تھے جن کے بالترتیب گورنر (والی): حضرت سواد بن غزیہ خزرجی، عمرو بن سعید اموی، یزید بن ابی سفیان اموی اور عبداللہ (حکم) بن سعید اموی تھے۔[2]

مکہ کے پہلے گورنر اور تبدیلی:

نبی مکرم ﷺ نے ریاست کے مختلف علاقوں کے انتظام کو چلانے کے لئے گورنروں کی تقرری کی اور ضرورت کے پیش نظر ان کو تبدیل بھی کیا۔

فتح مکہ کے بعد شہر الٰہی کے پہلے گورنر حضرت میرہ بن سبل ثقفی تھے جن کی تقرری عارضی ثابت ہوئی اور جلد ہی ان کی جگہ حضرت عتاب بن اسید اموی نے لے لی جو بقیہ عہد نبوی یا پورے خلافت صدیقی میں اس عہدہ جلیل پر فائز رہے ہے۔[3]

وسطی عرب خاص کر مکہ مکرمہ کے قرب وجوار کے علاقے میں طائف دبا اور جدہ کی ولایات کا واضح ذکر ملتا ہے جن کے گورنر بالترتیب حضرات عثمان بن ابی العاص ثقفی، حذیفہ بن یمان ازدی اور حارث بن نوفل ہاشمی تھے[4]۔

---

[1] علوی ،ریاست وحکومت کے اسلامی اصول 83

[2] ابن الأثير، علي بن محمد الجزري، أسد الغابة في معرفة الصحابة، (تہران: مکتبہ الاسلامیہ،) 374/2

[3] البلاذري، فتوح البلدان، ص 70

[4] واقدی ،کتاب المغازی ,968

مشرقی ولایات میں حضرات عمرو بن عاص سہمی مرکزی گورنر تھے جبکہ حضرات جیفر اور عبد فرزندان جلندی جو سابق فرماں روایان علاقہ تھے صوبائی گورنر یا منتظم تھے۔ بحرین کے سابق فرماں روا حضرت منذر بن ساوی تمیمی اپنے علاقہ میں حضرت علاء بن حضرمی اور ابان بن سعید اموی کے زیر نگرانی انتظامی امور انجام دیتے تھے۔ بحرین و عمان کی ولایات دو دو علحدہ انتظامی علاقوں میں منقسم تھیں جن کے لیے مرکزی نمائندے اور منتظم الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتم مشرقی ساحل اور وسطی عرب کے درمیان ایک قبیلے کے حکمران تھے، حالانکہ ان کی حیثیت گورنر کی بجائے مقامی منتظم کی تھی۔ شمالی علاقے میں وحدود شام کے قریب واقع تھا۔ حضرت شہر بیل بن حسنہ کو گورنر جنرل کا عہدہ حاصل تھا، ان کا صدر مقام ایلا تھا اور ان کے کئی دوسرے ماتحت مرکزی منتظمین مختلف علاقوں میں تعینات تھے۔[1]

لیکن خطے کے اختیارات اور مجموعی اعتبار کے دائرہ کار اور دائرہ کار کے لحاظ سے اس خطے کے سب سے اہم گورنر حضرت معیز بن جبل تھے، جنوبی عرب اور یمن کے تمام وسطی علاقوں کے گورنر جنرل، منیجر اور گورنر تھے۔ اور حضرموت و یمن نے اس کی نگرانی میں کام کیا۔ ان ماتحت گورنروں میں حضرات یعلی بن امیہ تمیمی (الجند) خالد بن سعید اموی (صنعاء) طاہر بن ابی ہالہ تمیمی (عک واشعری، عکاشہ بن ثور غوثی (سکاسک وسکون، ابو عبیدہ بن جراح فہری (نجران) عمرو بن حزم خزرجی (نجران، ابوسفیان بن حرب اموی (جرش، سعید بن قشیب ازدی (جرش) ابو موسی اشعری (زبیدہ، رمع، عدن اور ساحل، زیاد بن لبید خزرجی (حضرموت) عامر بن شہر ہمدانی (ھمدان) اور مہاجر بن ابی امیہ مخزومی (کندہ) کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

حضرت معاذ اور ان کے گورنر حضرت بازان اور ان کے بیٹے شہر بن بازان ایرانی کی وفات کے بعد مقرر ہوئے۔ ان دونوں ایرانی بیٹوں نے 628 سے 630 تک یمن اور دیگر خطوں پر اسلامی دارالحکومتوں کے طور پر حکومت کی۔ درحقیقت بازان ایرانی شہنشاہ کے گورنر تھے اور خسرو پرویز کے قتل کے بعد اسلامی ریاست کے ساتھ وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی صلاحیتوں کو پہچانتے ہوئے انہیں تمام یمن کا حاکم بنادیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شہر نے صوبے کا نظم و نسق سنبھالا لیکن فوری طور پر مرکز کو صوبے کے سیاسی حالات کے اتار چڑھاؤ سے آگاہ کیا جس کے بعد حضرت معاذ بن جبل اور ان کے معاونین کو مرکز سے روانہ کر دیا گیا۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 86/1

ان نئے مرکزی منتظمین کی آمد کے فوراً بعد حضرت شہر بن بازان کو یمن سے تعلق رکھنے والے اسود عنسی کے ہاتھوں شہید کر دیا گیا، اور نئے گورنروں نے اپنے صوبوں کے امور کی ذمہ داری سنبھال لی، لیکن جلد ہی فتنہ ردہ پیش آگیا۔ جبر کو دبانے میں وہ کافی ثابت قدم رہے اور کامیاب ہوئے۔

اختیارات و مدت تقرری :

حکومت نبوی کے افسران میں والیوں یا گورنروں کا طبقہ اپنی انتظامی کارکردگی اور وسیع اختیارات کے سبب اہم ترین تھا۔ شہری نظم و نسق کے اس شعبہ کے تمام کارکنوں کا تقرر مستقل بنیادوں پر ہوتا تھا۔ چنانچہ والیوں کی غالب اکثریت عہد نبوی کے اواخر تک اپنے اپنے مناصب پر فائز رہی، بلکہ ان میں سے بعض تو خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی تک بحال رہے۔ عہد نبوی میں ان کے عہدہ کی مدت تین ماہ سے تین چار سال تک نظر آتی ہے۔

تقرری عارضی یا مختصر مدت کے لیے تھی۔ بعض گورنروں کو معزول یا تبدیل بھی کیا گیا۔ ان میں سے مکہ، نجران اور جرش کے پہلے گورنروں کی تقرری عارضی یا مختصر مدت کے لیے تھی جبکہ ان کے جانشینوں کی تقرری مستقل تھی۔ بحرین کے گورنر حضرت علاء بن حضرمی کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے۔ بعض سے ان کی معزولی کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی جگہ حضرت ابان بن سعید اموی کی تقرری کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن صحیح وہ روایت معلوم ہوتی ہے جس کے مطابق دونوں حضرات بحرین کے دو الگ الگ علاقوں کے حکمران تھے[1]۔ ایک قول کے مطابق ان گورنروں کو ان کی خدمات پر تنخواہیں بھی ملتی تھیں۔

ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں

> "عہد نبوی کے قبائلی اور علاقائی والیوں کا تجزیہ خاصی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ نبوی دور میں عزل و نصب کی پالیسی کی بخوبی وضاحت کرتا ہے۔ کل 32 گورنر تھے جن میں سے 12 کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔۔ قریشی ولاۃ میں سب سے زیادہ یعنی سات کا تعلق بنو امیہ کے مختلف خانوادوں سے تھا۔ ان میں سے چار جو حقیقی بھائی بھی تھے مشہور سعیدی خانوادہ (بنو ابی احیحہ سعید بن عاص سے تعلق رکھتے تھے، دو کا تعلق بنو حرب بن امیہ کے خاندان سے تھا۔ جبکہ آخری اموی والی حضرت عتاب بن اسید کا تعلق اس کی ایک نسبتاً کم اہم شاخ بنو اسید سے تھا۔ حضرت ابو سفیان کے سوا جو جلد ہی سبک دوش ہو گئے تھے بقیہ اپنی ولایات میں پوری مدت تک کام کرتے رہے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن سعید اموی گورنر قری عربیہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ بلاذری نے

---

[1] البلاذري، فتوح البلدان 89

ایک روایت میں صراحت کی ہے کہ وفات نبوی کے وقت چار اموی گورنر اپنے عہدوں پر فائز تھے لیکن مورخ نے حضرت یزید بن ابی سفیان کو شمار کرتا تو پانچ ہوتے۔ خالص امویوں کے علاوہ دو اور گورنر حضرات علاء بن حضرمی اور سعید بن قشیب ازدی بنوامیہ کے حلیف تھے اس لیے عرب قبائلی روایات کے مطابق ان کا شمار بھی ان کے سرپرست خاندان ہی میں کیا جاتا ہے۔ باقی قریشی گورنروں میں بنو ہاشم بن فہر، بنو مطلب، بنو سہم اور بنو مخزوم کے صرف ایک ایک فرد شامل تھے۔ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے چھ گورنر تھے جن کا تعلق اس کی مختلف شاخوں سے تھا۔ اس طرح وسطی و مرکزی قبائل کی نمائندگی اس شعبہ حکومت میں لگ بھگ چھپن فیصد تھی۔ یہ دل چسپ اور اہم نکتہ ہے کہ مدینہ منورہ کے ایک دوسرے قبیلہ اوس کو اس طبقہ میں کوئی نمائندگی نہیں ملی۔ مشرقی عرب کے قبائل میں سے صرف ثقیف اور طے کو نمائندگی ملی تھی۔ ان میں سے اول الذکر کے اگرچہ دو گورنر تھے لیکن ایک کی تقرری عارضی ثابت ہوئی۔ شمالی عرب کے کسی فرد کو یہ عہدہ نہیں ملا البتہ جنوبی عرب کے چھ طبقات قبائل کے نو افراد اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے۔ ان میں سے دو ایرانی تھے پراگندہ اور منتشر قبائل میں سے صرف تمیم کے دو گورنروں کا ذکر تا ملتا ہے۔"[1]

جہاں تک ان گورنروں کے زمانہ قبول اسلام کا تعلق ہے تو بتیس افراد میں سے صرف پانچ کو سابقین اولین کے زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے، جبکہ آٹھ دوسرے ہجرت سے کچھ قبل یا کچھ بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور بقیہ نے کافی تاخیر سے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سے سات صلح حدیبیہ سے کچھ پہلے یا اس کے معابعد زمانے کے مسلمان تھے باقی فتح مکہ کے زمانے کے مسلمان اور طلقاء مکہ میں سے تھے۔۔ اسی طرح حضرات ابو سفیان بن حرب اموی اور نوفل بن حارث ہاشمی مدتوں تک بلکہ کہنا چاہیے کہ اپنی تقرری سے چند ماہ قبل تک اسلام دشمن طبقہ کے سربراہ رہے تھے۔ ثقیف کے دونوں افراد حضرات ہبیرہ اور عثمان بھی فتح مکہ سے ذرا قبل اور بعد کے مسلم تھے۔ یہ تجزیہ ثابت کرتا ہے اسلام سے پہلے کے گناہ، جرائم پر نہ کوئی مواخذہ تھا اور نہ ہی یہ سیاہ پس منظر اسلامی ریاست کے مناصب پر تقرری کے باب میں کسی طور سے اثر انداز ہوتا تھا۔

ایک دو گورنروں کے سوا جن میں حضرت ابو سفیان اموی معمر ترین تھے بقیہ تمام گورنروں کا تعلق جوان تھے۔ ان میں سے حضرات عتاب بن اسید اموی اور عثمان بن ابی العاص ثقفی کے بارے میں مآخذ میں صراحتا تقرری صرف اٹھارہ بیس سال میں ہوئی۔ اسی طرح دوسرے بعض اہم ترین والیوں کی عمریں تین چالیس کے درمیان تھیں یا اس سے بھی کم۔ اس حقیقت کو اس پس منظر میں دیکھنا چاہیے کہ ان نوجوانوں کو معمر اور اکابر صحابہ اور سن رسیدہ شیوخ ورؤساء پر جیج دی گئی تھی

---

[1] صدیقی، محمد یاسین مظہر، عہد نبوی کا نظام حکومت، (علی گڑھ: ادارہ تحقیق و تصنیف، 1994ء)، ص110

حکومت کا مالی نظام:

حضرت محمد علیہ السلام نے مالی نظام پر خصوصی توجہ دی۔اس مالی نظام کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ یہاں صرف عمال کی تقرری اور معزولی کے اصولوں کو دیکھا جائے گا۔

نظام وصولیابی صدقات:

اس دور میں شہر مدینہ کے مرکزی عامل مقرر کئے گئے تھے۔جو کہ شہر مدینہ اور مختلف صوبوں کے صدقات کو وصول کرتے تھے۔ج مقامی عاملیں کے واسطے سے ان کو وصول کرتے تھے۔

تقرری کے طریقے:

مقامی عمال کی تقرری میں عموماً دو طرح کے طریقوں کا ذکر آخذ میں ملتا ہے۔ایک تو یہ کہ آپ قبیلہ کے سابق سربراہ اور شیخ کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھتے تھے اور اس کو صدقات کی وصولیابی کا ذمہ دار بنا دیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ خدمت نبوی میں حاضر ہونے والے وفد کے سربراہ یا ممتاز ترین فرد یا افراد کو صدقات کی وصولیابی کی ذمہ داری سونپ دیتے تھے۔وفود عرب کی سربراہی عموماً قبیلہ و بطون کے سردار ہی کرتے تھے لیکن ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں قبیلہ البطن کا کوئی دوسرا ممتاز فرد یہ فرض انجام دیتا تھا اور چونکہ اس کو قبیلہ کا اعتماد عام حاصل ہوتا تھا اس لیے انتظامی سہولت کے پیش نظر آپ اسی کو مقرر کر دیتے تھے کبھی کسی سابق شیخ قبیلہ کی جگہ دوسرا سردار مقرر فرمایا ہے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔جن افسروں کا تقرر کیا جاتا ان کے لیے بعض کڑی شرطیں اور اہم صفتیں لازمی تھیں۔

ڈاکٹر یاسین مظہر لکھتے ہیں

> "انتظام وانصرام کی ذاتی صلاحیت تنظیمی قابلیت، خدا ترسی انسان دوستی، تقوی وامانت داری، دیانت وصلایت اور بلند کرداری سب سے اہم اوصاف تھے جو عاملین صدقات کے عہدہ پر تقرری کے لیے لازمی تھے۔ان کے علاوہ قبائلی و جغرافائی حالات اور مخصوص سیاسی محرکات کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جاتی تھی۔خاندان نبوی اور طالبان عہدہ و مناصب پر ان مہروں کے دروار بند تھے۔بنو ہاشم کو غالباً محروم کیا کہ وہ مادی فوائد کے پیچھے اپنی دنیا و عاقبت خراب نہ کریں اور خاندان رسالت سے تعلق کے سبب ہے بے جا رعاتیوں کے مستحق نہ بن سکیں ظاہر ہے کہ اموال صدقات جن سے عاملوں کو تنخواہ واجرت ملتی تھی لوگوں کے مال کے دنس (کوڑا کرکٹ) تھے لہذا اس سے متعلقین رسالت پناہ کو بچانا ضروری تھا۔طالبان مناصب پر یہ دروازہ اس لیے بند کیا گیا تھا کہ لالچ و طمع اور حرص کا سد باب کیا جا سکے۔ایمان و اسلام اور اللہ و رسول کی محبت اگرچہ لازمی شرط تھی تاہم سبقت

اسلام عہدہ و نصب پر تقرری کی نہ ضمانت دیتی تھی اور نہ استحقاق پیدا کرتی تھی۔ عہد نبوی کے دوسرے انتظامی شعبوں کی مانند اس نظام میں بھی تقری کی بنیادی شرط صلاحیت و لیاقت اور پاکیزہ اخلاق تھے۔ سیرت و تاریخ شاہد ہے، رسول خدا نے مالیاتی نظام میں بہتری کیلئے کئ اقدام اقتصاد و معاشیات کی بنیادیں فراہم کیں ، اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی کی اور رزق کمانے کے لیے سب کو یکساں مواقع کی فراہمی کو یقینی بنایا، شخصی ملکیت کا حق (کچھ خاص شرائط کے ساتھ)اور مرد و عورت دونوں کو ان کی کمائ ہوئ دولت میں یکساں حق مالکیت عطا کیا ایک طرف دولت کی گردش کا اہتمام کیا جس سے معاشئ دور میں پیچھے رہ جانے والوں کو حق دیا گیا دوسری جانب فضول خرچی اور کنجوسی دونوں انتہائیں رویوں کی حوصلہ شکنی کی تاکہ معاشی توازن برقرار رہے۔"[1]۔

ریاست کی آمدن اور اخراجات کے لیے شعبہ محاصل قائم کیا جس کا کام ریاست کے مالیات کا نظام سنبھالنا اور حسابات رکھنا تھا یہ شعبہ مزید مختلف شاخوں میں تقسیم تھا۔ کسی کے ذمہ درختوں پر لگے پھلوں کا جائزہ کسی کے ذمہ غنائم کی نگرانی اور کسی کے ذمہ صدقات وزکوۃ کارکارڈ ہوتا آپ نے مال غنیمت کی ذمہ داری کے لیے صاحب المغانم مقرر کیا۔ دیگر شعبہ جات میں، خمس رسول کے نگران، صاحب الجزیہ، صاحب الاعشار، متولی خراج اور ضامن وغیرہ تقرر کیا۔ آپ نے مختلف قبائل کے لیے محصلین زکات و جزیہ مقرر کیے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے صدقات وصول کرتے اور ریاست کے مرکزی بیت المال میں جمع کرواتے حضور علیہ السلام نے اپنے خاندان کو صدقہ وزکوۃ کا مال حرام کیا، خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہو۔

4 استحکام ریاست :

عدل وانصاف کسی بھی ریاست کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾[2]

(اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو)

اللہ تعالی سورہ حدید میں فرماتا ہے

---

[1] صدیقی، محمد یاسین مظہر، عہد نبوی کا نظام حکومت، ص214

[2] النساء:58

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾[1]

(ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں).

سورہ شوری میں اس طرح فرمایا

﴿ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ﴾[2]

(اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔)

شعبہ عدالت:

حضرت محمد علیہ السلام نے عدالتی نظام کو ریاست کے لئے بہت اہم قرار دیا۔اس کے نفاذ میں کوئی تفریق نہیں کی اور ہر ایک پر یکساں طور پر سزا کو نافذ لیا۔اس سلسلے میں اپنی ذات کو بھی پیش کیا۔عدل وانصاف کے قیام میں آپ ﷺ نے کسی بھی درجہ کی قرابت کو حائل کرنے کی نفی کی۔

آپ ﷺ کا مشہور قول ہے

((وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا[3]))

(اللہ کی قسم اگر محمد کی اپنی بیٹی فاطمۃ بھی چوری کرتی تو اسکے ضرور ہاتھ کاٹتا)

نبی مکرم کے نظام عدالت کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں

1۔ آپ کے مقرر کردہ صوبائی حکومتوں کے والیوں کو بطور جج کام کرنے کا بھی حکم تھا مثلاً عمرو بن حزم جب یمن کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تو انہیں تحریری ہدایت نامہ دیا گیا جس میں عدل وانصاف کی تاکید موجود ہے۔ [4]

2۔جو لوگ مسلمان نہ تھے،ان کا قانون دین استعمال کیا جاتا، یہ اصول بعد میں مستقل قانون کا درجہ اختیار کر گیا۔ [5]

---

[1] الحدید:25

[2] الشوریٰ: 15

[3] البخاري، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،(بیروت: دار الاحیاء والارشاد العربی 2006ء) کتاب احادیث الانبیاء، رقم:3475

[4] علوی، ریاست وحکومت کے اسلامی اصول، ص86

[5] ایضا

3 جہاں تک انصار قبائل کا تعلق ہے تو آپ نے ہر قبیلہ سے ایک ایک نقیب کو ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ کے وقت مقرر کیا تھا، جو اپنے قبیلے کی نمائندگی کرنے اور آپس کے جھگڑوں کی صورت میں فیصلہ کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اگر نقیب کا فیصلہ قبول نہ ہوتا تو معاملہ آپ کی طرف بھیجا جاتا۔ نقیب کے ماتحت، ہر دس افراد پر عریف نام کا ایک افسر تھا۔ [1]

قبیلہ اوس و خزرج سے لیے گئے 12 نقباء کے نام درج ذیل ہیں: اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براہ بن معرور، عبداللہ بن عمرو عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو، اسید بن حضیر، سعد بن خیمہ، رفاعہ مبین عبدالمنذر۔ [2]

حضرت محمد علیہ السلام نے عدالتی نظام میں کچھ اصطلاحات کا اضافہ فرمایا۔ جو کہ یہ ہیں:

1۔ عمد، مشابہ العمد اور خطا میں فرق کیا گیا اور جرم میں مجرم کی نیت کے عمل دخل کو سب سے پہلے دیکھا گیا ضمان کا قانون مقرر ہوا، ہر جانے کا معاوضہ دم کی صورت میں مقرر ہوا، انصاف کی جگہ استحسان کو عدالتوں میں رواج دیا گیا اور کسی زیادتی کی ذمہ داری کو شخصی قرار دیا گیا ایک کا ہار دوسرے پر لادنے کا سلسلہ نہیں شک کا فائدہ مجرم کو دینا اور غلط طور پر مجرم قرار دینے کے بجائے بری کرنا اچھا قانون کہا گیا۔، آپ نے ہدایات جاری کیں کہ:

((فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي العَفْوِ خَيرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي العُقُوبَةِ -[3]))

(پس بے شک امام کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔)

2۔ حضرت محمد علیہ السلام نے کسی بھی جرم کو ثابت کرنے کے لئے اصول دیا کہ گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہے اور حلف مدعی علیہ پر لازم ہے۔

((أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ)) -[4]

(گواہ پیش کرنا مدعی اور قسم مدعی علیہ ہر لازم ہے۔)

---

[1] ابنِ ہشام، السیرۃ : 1 / 95تا292،

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ,444/1

[3] الترمذي، محمد بن عیسیٰ، الجامع، (سعودی عرب: دار السلام للنشر والتوزیع، 2007ء) أبواب الحدود باب ماجاء في درء الحدود حدیث رقم 1408

[4] البخاری، الجامع الصحیح, کتاب التفسیر، باب: إن الذین یشترون بعهد اللہ وأیمانهم ثمنًا قلیلًا...)، ح:4552،

3۔ قانون شہادت کو تفصیلات کے ساتھ نافذ کیا گیا قرآن کی ہدایات کے مطابق سزا یافتہ ،گناہ کبیرہ کے مرتکب ، جھوٹے بدکار و فاسق کی شھادت غیر معتبر قرار دی گئی تفتیش، تنقیح، شھادت اور جرح کے قواعد، گواہوں کی تعداد، عمر، مرد و عورت ، مسلم اور غیر مسلم کی شھادت اور غیر ملکی مستامنوں کی حقوق،سب کچھ کے تفصیلی قواعد کا اجراء ہوا قاضیوں کے لیے تنخواہوں کا نظام بھی نافذ کیا گیا[1].

4۔اسلام خلیفہ وقت کو بھی جوابدہ سمجھتا ہے۔ ہمارے نبی نے اس کو عملی طور پر ثابت کیا ہے، عوام کو اپنے خلاف دعویٰ کرنے کی اجازت دی۔ حضرت عمر نے اس کو بیان کیا ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات سے بدلہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ [2]

نظام تعلیم :

حضرت محمد علیہ السلام نے نظام تعلیم کے لئے مختلف اقدامات کئے۔ان کا خلاصہ یہ ہے۔

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار مصروفیات کے باوجود تعلیمی منصوبہ بندی کی طرف بھرپور توجہ دی اور ذاتی طور پر آپ اس کی نگرانی فرماتے رہے سعید بن العاص جو کہ خوش نویس تھے ، معلم حکمت ، مقرر ہوئے جن کے ذمہ لوگوں کو لکھنا سکھانا تھا حضرت عبادہ بن صامت کو صفہ میں معلم مأمور کیا گیا ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آنے والے قیدیوں کے لیے آزادی 10 لوگوں کی تعلیم پر موقوف کی۔اس طرح 10 افراد نے نہ صرف پڑھنا بلکہ لکھنا بھی سیکھ لیا۔

2۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایک احاطہ جو دراصل ایک اقامتی درسگاہ بنائی گئی، جو قرآن، تجوید، فقہ، دیگر اسلامی علوم تعلیم ہوتی یہاں پر مستقل طور پر رہائش پذیر طلبہ کے علاوہ محدود وقت کے لیے پڑھنے والے بھی آتے تھے آپ اس کی نگرانی فرماتے۔ خواتین کی تعلیم کے لیے ہفتے کا ایک دن مخصوص کیا جب مسجد نبوی میں صرف خواتین تعلیم کے لیے آتیں اس تعلیم کے لئے زوجہ رسول عائشہ صدیقہ کی خدمات بے مثال ہیں۔ [3]

3۔ جب آپ علیہ السلام کے پاس کوئی قبیلہ اسلام لاتا تو آپ ان کی تعلیم اور دینی مسائل کی تربیت کے لئے معلم کا

---

[1] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص 175،

[2] ابو یوسف، یعقوب، کتاب الخراج (بیروت: دار الفکر، 1979ء) ص 116

[3] علوی، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، ص 89,90

بندوبست کرتے اوراس کو کچھ عرصے کے لئے ان کے ساتھ روآنہ کردیتے یعنی کسی تربیت یافتہ صحابی کو بطور استاد روانہ کردیتے تاکہ مسلموں کی تعلیم کا اہتمام ہو یہ صحابی اپنی ذمی داریاں پوری کرکے واپس آجاتے۔ بیر معونہ کے مشہور واقعہ میں آپ نے ستر قاری قرآنی تعلیم کے لیے روانہ کیے تھے۔[1]

4۔ تحریر و کتابت کے سلسلہ میں نفاست وصفائی کے آداب بتائے کاغذ کو سیاہی خشک ہونے پر تہہ کرنے اور لکھنے میں تھوڑے وقفہ کے دوران میں قلم کان پر لگانے کے طریقے سکھائے۔

5۔ آپ معلمین اور مدرسین کا خاص خیال رکھتے، انھیں معاشرے کے اندر عزت و تکریم کا اعلیٰ مقام عطا کیا حتیٰ کہ انہیں انبیاء کا وارث قرار دے کر ان کے سماجی مقام کا تعین کیا آپ نے معلمین و مدرسین کو طلبہ پر سختی سے احتراز کرنے اور لوگوں کے فہم کے مطابق ان کو بات سمجھانے کی ہدایت فرمائی۔

6۔ خطوط پر مہر لگانے کا رواج بھی سب سے پہلے آپ نے شروع کیا اس مہر پر محمد رسول اللہ کنندہ تھا سرکاری ہدایت نامے اور دستاویزات پر ثبت ہوتی تھی۔[2]

7۔ مدینہ میں صفہ کے علاوہ کم از کم 9 مسجد مکاتب، سکولز کام میں مصروف ،ہر محلے کی سطح پر تعلیمی راہنمائی جاری تھی آپ خود اس میں معائنہ کرنے جاتے ،ہدایات دیتے جہاں تک نصاب تعلیم کا تعلق ہے اس سلسلہ میں

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

> "ایک ہی تربیتی پروگرام کا استعمال کیا گیا تھا. مخصوص کتابیں پڑھانے کے بجائے، لوگ ایک مخصوص استاد کے پاس گئے اور وہ سیکھا جو وہ سکھا سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت کے آفاقی نصاب کے علاوہ نشانے بازی، پیراکی، تقسیمی ریاضی اور بنیادی دوائیوں کی تربیت کا حکم دیا۔ دینی علم، نسب کا علم اور قرآن مجید کی تجوید کا علم دیا جائے۔ "[3]

الغرض نبی مکرم ﷺ نے تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ اور اس کی اہمیت کے پیش نظر ہر سطح پر اس کا اہتمام کیا گیا۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ :2 82.183

[2] ابن اثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ (دمشق۔1356ھ):241/2

[3] ۔حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی (کراچی ،دارالاشاعت۔1987ء)ص:106

5۔معاشی نظم وضبط:

قرآن پاک میں کمائی کے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کی حدود کا تعین بھی موجود ہے۔دولت کمانے کے حلال اور جائز طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کی معاشی تعلیمات، جزئی معاشیات اور کلی معاشیات کے تمام اصولوں پر مشتمل ہیں ان میں اجتماعی ذرائع، محاصل اور معارف سے لے کر انفرادی ذرائع آمدن وتصرف اور اکتساب رزق کی ہدایات تک،ایک صاف ستھرا مکمل نظام موجود ہے۔

ڈاکٹر مستفیض علوی لکھتے ہیں

> "قرآن کہتا ہے کہ انسانی کوشش معاشیات کی بنیاد ہے اور یہ دنیا کی واحد الہامی کتاب ہے جو معاشیات اور معاشیات کے بارے میں تفصیلی ہدایات فراہم کرتی ہے جس کا واضح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی حکمت عملیوں میں اظہار کیا گیا ہے۔" [1]

ذیل میں اسلام میں بیان کردہ معاشی بنیادی اصولوں کا خلاصہ ہے۔

1. خدا نے زمین کے وسائل انسان کے لیے بنائے۔

2. خدا لوگوں کی معیشت اور تقدیر کا تعین کرتا ہے۔

3. روزی اللہ کی نعمت ہے،اس لیے اس نعمت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

4. غذائیت ایک ایسی چیز ہے جو بہر حال مرتی رہتی ہے اور انسانی کوششوں سے حاصل ہوتی ہے۔

5. ہر کسی کو اپنے اثاثوں کا حصہ حاصل کرنے کا حق ہے۔

6. انسان کی عزت صاف اور حلال کھانے میں مضمر ہے۔

7. اس تناظر میں غیر قانونی طریقے استعمال کرنا خدا کی نافرمانی ہے۔

8. چیزوں اور وسائل کو پکڑے رہنا اپنے اور دوسروں کے لیے مہلک ہے۔

9 خوشحالی فنڈز اور وسائل کے حصول اور اعتدال میں استعمال کرنے سے آتی ہے۔

---

[1] علوی، ریاست وحکومت کے اسلامی اصول، ص 91

10. ضروری ہے کہ امیر محتاجوں اور مسکینوں کے لیے حصہ اٹھائے۔

11. یہ وسائل اس شخص کو ایک مخصوص رعایتی مدت کے ساتھ فراہم کیے گئے تھے۔

12. ایک دن انسان کو اپنے رب کو ان فوائد کا حساب دینا ہو گا۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عوام کے لیے انفرادی اقتصادیات کے ذرائع، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، وراثت اور بیت المال تھے جبکہ ریاستی سطح پر آمدن مدات مندرجہ ذیل تھی زکوٰۃ و عشر، خراج، مال غنیمت اور جزیہ تھے۔

وراثت کے قوانین کا نفاذ:

ریاست مدینہ میں قانون میراث و ترکہ اور وصیت کے ذریعے معاشرے کے کمزور افراد کے معاشی حقوق منضبط کیے گئے تھے ابتدائی پانچ سالوں میں قانون میراث پوری تفصیل کے ساتھ نافذ ہو چکے تھے جن کے اہم نکات درج ذیل ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت کے جامع قوانین جو قرآن پاک کی سورہ النساء میں بیان کیے گئے ان کا نفاذ کیا۔ قوانین میراث کی تاریخ سے واقف بہ آسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ قانون وراثت کی تفصیلات نہ صرف مہیا کی بلکہ اس کا باقاعدہ نفاذ کر کے ریاست میں ایک عملی نمونہ پیش کیا ۔اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ یہ ضابطہ اللہ کہ قائم کردہ حدود کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کے لیے دونوں جہاں کی فلاح اسی کی بدولت ممکن ہو گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت کے جامع قوانین لوگوں کو سکھائے، بیان کیے گئے ان کا مکمل نفاذ کیا۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار مصروفیات کے باوجود اس کی طرف بھرپور توجہ دی اور ذاتی طور پر آپ اس کی نگرانی فرماتے رہے۔

نائبین نبوی:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی شہر مدینہ سے باہر گئے تو اپنا قائم مقام مقرر کر کے گئے۔ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا تھا۔ جس کا کام تمام دینی اور انتظامی امور سر انجام دینا تھا۔ سیاسی اور نظامی اہمیت کے لحاظ سے نائبین نبوی نے پہلا مقام حاصل کیا۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ کسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانشین (نائب خلیفہ) کو چھوڑ کر مدینہ سے جاتے ہیں۔ ایک خاص بات کی وجہ سے بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ رسول کے نمائندے کا کردار صرف نماز کی امامت کرنا ہے۔[1]

عہد نبوی میں اس عہدہ پر کل 32 تقرریاں کی گئیں جبکہ نائین رسول کی کل تعداد صرف 13 تھی یعنی بعض خوش بخت صحابہ کرام کو یہ سعادت بار بار ملی تھی تاریخی اور توقیتی ترتیب کے مطابق پہلے غزوہ ودان کے زمانے میں حضرت سعد بن عبادہ خزرجی کو اور اس کے بعد غزوہ بواط کے دوران حضرت سعد بن معاذ اسی کو یہ عہدہ ملا تھا تیسری تقرری کا شرف حضرت زید بن حارثہ کلبی کو غزوہ سفوان اولیٰ کے دوران حاصل ہوا یہ عہدہ ان کو عطا کر کے ہر انسان کی برابری کا ثبوت دیا، صلاحیت و لیاقت ہی بنائے تقریری تھی نہ کہ قرابت وخون کی رشتہ داری یا محض خاندانی وجاہت و نجابت۔ حکمت نبوی کا ایک مظاہرہ جو بھی تقرری میں ہوا جب ایک مولا اور غلام کے بعد غزوہ ذات العشیرہ کے دوران ایک قریشی حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو نائب رسول کا عہدہ عطا کیا گیا صحابی موصوف آپ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ حضرت زید بن حارثہ کو دوبارہ یہ خدمت غزوہ مریسیع کے دوران تفویض ہوئی۔ غزوہ بدر کے دوران خلفاء رسول کی تقرری کے منہاج و مقصد پر کافی روشنی مصادر سے حاصل ہوتی ہے ان کے جامع طور پر ابن ہشام میں بیان کیا۔ پہلے اس عہدہ پر حضرت عمر بن ام مکتوم عامری قریشی کی تقریر ی عمل میں آئی تھی مگر پھر کچھ مصالح کے پیش نظر ان کی جگہ حضرت ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر خرجی کو مقرر کیا گیا۔ بعض کے نزدیک حضرت ابن ام مکتوم کے بجائے حضرت عاصم بن عدی اوسی کا پہلے تقر ہوا تھا اور پھر ان کی جگہ حضرت حضرت ابولبابہ نے سنبھال لی تمام روایات کی تنقیح کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ اس موقع پر کم از کم تین حضرات کو شہر کے مختلف علاقوں کی انتظامی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ حضرت ابولبابہ خاص شہر رسول کے لیے نائب مقرر کیے گئے تھے جبکہ حضرت عاصم بن عدی عجلانی اوسی شہر کے بالائی علاقے العالیہ) کے اور حضرت حارث بن حاطب خزرجی اپنے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے

---

[1] ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، المقدمہ، (مصر: مصطفیٰ، 2003ء)، 744/2

معاملات وامور کے نگراں تھے۔ حضرت ابولبابہ کو غزوات بنی قینقاع وسویق میں دو بار مزید خلافت نبوی کی سعادت ملی۔ اس طرح مجموعی طور سے ان کی تقریوں کی تعداد تین ہوگئی ۔خلفا ونوآب رسول کے اس طبقہ کی سب سے ضروری شخصیت عمروابن ام مکتوم تھی جنھوں نے روایات کے اختلاف کے مطابق 12 یا 13 مواقع، نبی اکرم علیہ السلام کی جانشینی والا فریضہ انجام دیا۔ اگرچہ بدر کبری کے موقع پر بروایت ابن اسحاق ان کی تقرری عارضی ثابت ہوئی تاہم غزوہ کدر سے فتح مکہ تک پانچ برس کے دوران ان کو یہ سعادت بار بار ملتی رہی۔ مذکورہ مواقع کے علاوہ غزوات بحران، احمد، حمراءالاسد، ابنی نضیر، خندق بنو قریظہ، لحیان، غابہ، حدیبیہ، فتح مکہ، حنین اور طئف کے زمانے میں تقرری ہوتی رہی۔[1]

اسی اثنا میں حضرات عثمان بن عفان اموی[2] عبداللہ بن رواحہ خزرجی، سباع بن عرفطہ غفاریاور ابو ذر غفاری[3] کی بالترتیب غزوات ذوامر اور ذات الرقاع، بدر الموعد دومۃ الجندل اور عمرۃ القضیہ میں نیابت رسول سے سرفرازی ہوئی تھی ان میں سے حضرت عثمان کو پہلے دو غزوات کے زمانے میں دوبارہ موقع ملا تھا اسی طرح حضرت سباع غفاری کو دو بار مزید خیبر فدک ووادی القری اور حجتہ الوداع کے زمانے میں یہ سعادت ملی۔ حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کو غزوہ تبوک کے دوران یہ شرف ملا جبکہ اسی زمانے میں حضرت علی ہاشمی کو نصیب ہوئی خاندان رسالت میں امور کو دیکھ بھال کی سعادت آئی [4]۔

مذکورہ بالا تیرہ افراد کے گروہ کے حضرت ابن مکتوم 12 یا 13 مرتبہ سرفراز ہوئے جبکہ حضرت عثمان غنی، زید اور ابو سلمہ کو دو بار یہ سعادت ملی حضرات ابولبابہ اور سباع کی 3 بار سرفرازی ہوئی اور سات حضرات محض ایک دفع موقعہ پایا۔ مدینہ کے دو عظیم ترین مقامی شیوخ قبیلہ کی یکے بعد دیگرے تقرری دراصل فراست نبوی، حکمت عملی اور دوراندیشی کی دلیل تھی کہ شہر نبوی کے دونوں اہم ترین مقامی طبقات خزرج واوس کی اس طرح نہ صرف دل جوئی کی گئی تھی بلکہ ان کو حکومت اسلامی میں برابر کا شریک و سہیم ہونے کا احساس دلا کر ان کی مکمل وفاداری اور اطاعت بھی حاصل کرنی گی تھی۔

---

[1] صدیقی، محمد یاسین مظہر، عہد نبوی کا تنظیم ریاست وحکومت (دہلی: قاضی پبلیشرز، 1998, ص15

[2] واقدی، کتاب المغازی، ص، 199

[3] ابن اثیر، اسدالغابہ، 250/5

[4] ابن ہشام, السیرہ، 519/3

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نائب رسول کا عہدہ تو مستقل تھا مگر عہدیدار اور ان کی تقریوں کی نوعیت عارضی تھی۔ قبائلی نقطہ نظر سے سب سے زیادہ تقرریاں 17 قریش کو ملی تھیں۔ ان میں اہم ترین حصہ بنو عامر بن لوی کا تھا جبکہ بنوامیہ اور بنو مخزوم کے بطون کو صرف دو دو تقریوں سے نوازا گیا تھا۔ تعداد کے لحاظ سے پھر اوس کا نمبر آتا ہے جس کے پانچ ارکان نے سات بار سعادت حاصل کی۔ ان کے بعد غفار کا درجہ ہے جن کے دو عہدیدار نے چار مرتبہ یہ خدمت انجام دی۔ کلب اور خزرج کے حصہ میں صرف دو بار خلافت آئی۔ اوپر کی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاقائی نمائندگی کے لحاظ سے مرکزی عرب کے قریش و انصار نے غالب تر حصہ پایا تھا جبکہ دوسرے قبائل میں صرف مغربی حصہ کے ایک قبیلہ غفار کو نمائندگی ملی تھی شمالی عرب کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر بھی اور جنوبی مشرقی اور بقیہ عرب کے قبائل کی نمائندگی بالکل صفر تھی۔ قبول اسلام کے اعتبار سے خلفاء رسول کی غالب اکثریت اگرچہ سابقین اولین میں سے تھی مگر انصار کے تمام افراد کا تعلق مدنی عہد سے تھا۔ ان میں ایک دو کے سوابقیہ سے کہیں زیادہ قدیم مسلمان موجود تھے مگر ان کو یہ عہدہ کسی سبب سے نہیں عطا ہوا ہے۔ تمام اکابر قریشی صحابہ جیسے حضرات ابو بکر، عمر، عبدالرحمان بن عوف، طلحہ، زبیر اور حمزہ وغیرہ کو اس طبقہ میں کوئی جگہ نہیں لی، مدت عہدہ پانچ دن سے لے کر تقریباً تین ماہ تک غزوات کی نوعیت کے مطابق مختلف رہی ہے۔ بااعتبار عمر سب ہی جوان طبقہ کے لوگ تھے اور ان میں سب سے معمر حضرت عثمان اموی تھے جن کا شمار ادھیر عمر والوں میں کیا جاسکتا ہے۔

کاتبین نبوی:

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے کتابت کے شعبہ پر بھی خصوصی توجہ دی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے انتظامی کاموں میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی بہت اہمیت تھی کیونکہ وحی الٰہی کے علاوہ، جو اسلام کا سب سے پہلا اور اہم ذریعہ تھا، وہ معاہدوں، خطوط اور احکام کا مسودہ تیار کرنے والے بھی تھے۔ نبی کے انتظامی قانون کے سیکرٹریز، ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ان میں سے کم از کم تعداد 45 کی تھی۔ غالباًان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حاضرین میں سے کسی کو بھی ضرورت کے وقت اس خدمت کے لئے استعمال کرتے تھے۔

تاہم صرف چند آدمیوں نے مخصوص اور اہم خدمات میں مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا جیسا کہ معاویہ بن ابی سفیان امیہ، زبیر بن عوام اسدی وغیرہ کی مثالوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ کاتبین وحی میں حضرت عثمان بن عفان اموی، خالد بن سعید اموی، ارقم بن ابی ارقم مخزومی، علی بن ابی طالب ہاشمی، شرحبیل بن حسنہ کندی اور عبداللہ کے اسماء گرامی مکی عہد کے کاتبوں میں گنائے جاتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے اکابر مکی صحابہ جیسے حضرات شیخین وغیرہ بھی اس سعادت سے یقینی طور پر بہرہ ور ہوئے تھے۔ مدنی عہد میں وحی کے کاتبین تو متعدد تھے گر کاتب اعظم کا عہدہ ابی بن کعب خزرجی اور اما تحت کا منصب زید بن ثابت خزرجی کو ملا تھا۔ دوسرے بزرگوں میں مکی عہد کے بعض حضرات بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ حضرات معاویہ بن ابی سفیان اموی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی، علاء بن عقبہ، حنظلہ اسیدی، سجل اور ایک نامعلوم نصرانی نو مسلم کے علاوہ ابن خطل کے نام بھی کاتبین وحی میں گنائے جاتے ہیں [1]۔

ظاہر ہے کہ بعض دوسرے حضرات بھی اس شرف کے مستحق بنے ہوں گے۔ خطوط و فرامین لکھنے والوں میں سر فہرست حضرات علی، ابی بن کعب، معاویہ ، خالد، مغیرہ ثقفی، علا، ارتم، ثابت ، عثمان غنی، شرحبیل ، جہیم، علا ، عبد اللہ بن زید، زبیر، ابوسفیان، عامر تیمی، طلحہ بن عبید اللہ تیمی، عبد اللہ، خالد بن ولید و حویطب، حذیفہ عظفانی ، حسصین، ابوایوب ، معیقب، بریدہ ، ابو سلمی ، عبدربہ، عبداللہ کے اسماء گرامی مذکورہ کاتبین کے علاوہ ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد دوسرے صحابہ کرام بھی اس طبقہ عمال میں شامل تھے [2]۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 267/1

[2] صدیقی، محمد یاسین مظہر، پروفیسر ، عہد نبوی کا تنظیم ریاست و حکومت باب 4 اور اسکا ضمیمہ دوم۔ 3 ص 17

مخصوص معاملات کے کاتبوں میں حضرت حصین اور مغیرہ شامل تھے جو خفیہ امور تحریر کرتے تھے حضرت حذیفہ بن یمان آراضی کی پیداوار کے۔اور شرحبیل حکمرانوں کو فرامین نبوی لکھتے تھے۔ حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوستی نہ صرف کاپ نبوی تھے بلکہ صاحب خاتم نبوی بھی تھے۔ایک روایت کے مطابق یہی خدمت حضرت حنظلہ بن ربیع اسدی بھی انجام دیتے تھے۔ لیکن سب سے بڑے اور صحیح معنوں میں آپ کے سکریٹری حضرت بلال حبشی تھے جو آپ کے خانگی امور کے نگراں، قرض دادھار کے منتظم، میزبانی کے متہم، اذن واجازت دلوانے والے، سترہ بردار، وعضو کے پانی کا انتظام کرنے والے، انعام کی رقم عطا کرنے والے، خازن و خزانچی، منادی و معلن، سفیر اور متعدد دوسرے فرائض وامور کے نگراں تھے [1]۔

ان کاتبوں کا تعلق سابقین، متوسطین اور متاخرین اسلام تینوں طبقات سے تھا۔ سترہ کے لگ بھگ سابقین اولین میں سے تھے جبکہ بقیہ میں سے اکثر متاخرین میں شامل تھے۔ اکثر و بیشتر جوان طبقہ کے تھے۔ تقریباً اکتیس حضرات کا تعلق وسطی قبائل قریش وانصار سے تھا جبکہ بقیہ میں سے اکثران کے حلیفوں میں شامل تھے۔

سفیران نبوی:

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے سفارت کاری کے شعبہ پر بھی خصوصی توجہ دی۔ ان کی تعداد تقریبا 39 تھی۔ جبکہ ان کی کل تقرریوں کی کل تعداد تینتالیس ہے یعنی بعض حضرات نے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ خدمت انجام دی تھی۔ مرکزی عرب کے قبائل میں قریش کے آٹھ افراد نے آٹھ مواقع پر سفارت کا عہدہ سنبھالا تھا۔ان کے بطون میں بنو مخزوم اور بنو سہم کے دو دو افراد شامل تھے جبکہ بنو ہاشم، بنو امیہ اور بنو عامر بن لوی کا صرف ایک ایک فرد ۔دل چسپ بات ہے کہ زمانہ قبل اسلام میں عہدہ سفارت رکھنے والے بطن بنو عدی (خاندان عمر بن خطاب) کا صرف ایک نمائندہ شریک تھا۔ بقیہ مرکزی قبائل میں خزرج کے دو افراد نے تین بار اور اوس کے دو افراد نے اتنی ہی بار سفارت کا فرض انجام دیا تھا۔ شمالی عرب کے قبلے کلب کے تین افراد نے دو بار اور لخم کے ایک سفیر نے ایک بار پیغام نبوی پہونچایا تھا۔ مشرقی قبائل میں ہوازن، خزیمہ اور غطفان کے بالترتیب تین، دو اور ایک سفیر تھے۔ مغربی قبائل میں خزاعہ کے سات سفرا نے باری باری سے یہ خدمت انجام دی تھی ۔کنانہ کے ایک سفیر نے تین مواقع پر اور ازدشنوۃ کے ایک سفیر نے ایک بار عہدہ سفارت سنبھالا تھا۔ جنوبی قبائل میں بجیلہ، سدوس، حضرموت اور حمیر کے

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابہ، 406/4

بالترتیب دو دو اور ایک ایک سفیر تھے۔ منتشر قبائل میں صرف تمیم کے ایک سفیر کو نمائندگی ملی تھی جبکہ بقیہ دو کے بارے میں ہماری معلومات ناقص ہیں۔ جب کہ سفیروں کے زمانہ قبول اسلام کا ذکر، تو ان میں سے صرف ایک چوتھائی کا تعلق سابقین اولین کے طبقہ سے تھا اور اس سے کچھ کم کا متوسطین کے طبقہ سے اور بقیہ کا متاخرین کے طبقہ سے تھا۔ عمر کے اعتبار سے غالب ترین اکثریت جوانوں کی تھی۔ اسلام میں عہدہ سفارت عارضی تھا اور سفیروں کو قالبا زاد راہ کے سوا اور کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔

مخصوص افسران نبوی:

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے دین اسلام کی تبلیغ اور نفاذ پر خصوصی توجہ دی۔ کچھ انتظامی امور کو انجام دینے اور بعض احکام شریعت کو نافذ و جاری کرنے میں، چند مخصوص افسروں کو بھی مقرر فرمایا تھا۔ یہ خدمت بھی عارضی نوعیت کی تھی اور سراسر رضاکارانہ، مشہور واقعہ بنو قریظہ کے معاملہ میں حکم بنائے جانے کا ہے۔ اس تحکیم میں انھوں نے تمام بالغ یہودی مردوں کے قتل عام کا فیصلہ کیا تھا۔ اس طبقہ عمال میں اہم حضرت علی ہاشمی تھے جنھوں نے تین مواقع پر تقرری کی سعادت پائی۔ دو بار بنو جذیمہ اور بنو جذام کے مقتولوں کی دیت یا خوں بہا کی ادائیگی، قیدیوں کی واپسی پر مقرر ہوئے تھے اور ایک بار فتح مکہ کے دوران بعض پرجوش مسلمانوں کی غلطی سے ہونے والی خوں ریزی کا معاوضہ ادا کیا تھا۔ غزوہ تبوک کے زمانے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے غزوہ سے قبل منافقین کے ایک سازشی مرکز کو منہدم کیا تھا۔ تو اختتام غزوہ پر حضرت مالک اوسی اور معن اوسی نے اس مسجد کو مسمار کیا تھا، جس کا نام ضرار تھا۔ بہر کیف بارہ معلوم افسران خصوصی میں سے تین کا تعلق قریش کے بطون ہاشم، تیم اور عدی سے تھا جبکہ خزرج کا کوئی فرد شریک نہیں تھا البتہ اوس کے چار حضرات کو یہ شرف نصیب ہوا تھا۔ بقیہ قبائل میں ازد، اسلم اور عظفان کے افراد تھے اور دو کے بارے میں ہماری معلومات ناقص ہیں۔ قریشی افسران سابقین اولین میں سے تھے جبکہ بقیہ کا تعلق مدنی عہد سے ہے۔ البتہ یہ اعتبار عمر سب کا تعلق جوانوں کے طبقہ سے تھا[1].

شعراء و خطباء:

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے کفار کے ہجو کا جواب دینے کے لئے خاص طور پر شعرا کو کہا تھا۔ ان میں حضرت حسان بن ثابت خزرجی، کعب ابن مالک خزرجی اور عبد اللہ بن رواحہ خزرجی شامل تھے۔

---

[1] ایضا

قرون وسطیٰ کے عرب میں شعر و خطابت کو ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا کہ وہ ابلاغ و ترسیل کے دو طاقتور اور موثر ترین ذرائع، اسی سبب شعراء و خطباء میں موجود صلاحیتوں کو اسلام اور ریاست کے مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کیا تھا۔ خطابت تو خود جناب میں ایک ذاتی صفت تھی تاہم ایک موقع پر آپ نے ثابت خزرجی سے بھی یہ خدمت لی تھی۔ آپ کے مستقل شعراء حضرت حسان خزرجی، کعب خزرجی اور عبداللہ خزرجی ہوتے۔ یہ تینوں مدنی مسلم اور صاحب طرز شاعر تھے اور ان میں حضرت حسان کافی معمر تھے ایک اسلمی صحابی حضرت عامر بن سنان کا بھی ذکر شعراء دربار سالت میں ملتا ہے۔

حاجب اور آذن:

بعض ایسے کارکنوں کا ذکر ملتا ہے جن کا کام ذات رسالت کے دولت کدہ کی دربانی تھی۔ یہ خدمت حضرات عویم بن ساعدہ اوسی، رباح اسود حبشی، عنبسہ، ابو موسیٰ اشعری اور انس بن مالک خزرجی نے ایک بار انجام دی تھی جبکہ آپ کے مستقل دربان، حاجب اور آذن (اجازت نبوی حاصل کرنے والے) حضرت عبداللہ بن زمعہ اسدی قریشی تھے جو اواخر مدنی عہد میں مسلمان ہو کر مدینہ آگئے تھے اور مستقل دربانی کا فرض مسلسل انجام دیتے تھے۔ حضرات رباح اور عنبہ آپ ﷺ کے موالی تھے، مکی عہد میں مسلمان ہوئے تھے، جبکہ حضرت عویم ابتدائی مدنی عہد کے مسلم تھے اور بقیہ اواخر مدنی عہد کے۔ تاہم ان سب کا تعلق جوانوں کے طبقہ سے تھا۔

عہد نبوی میں عمال اور گورنروں کی تبدیلی و معزولی سے اسلامی ریاست میں حکومت کی تبدیلی کا استنباط:

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے موقع کی مناسبت سے والی اور امیر بنانے کے بعد انھیں تبدیل کر دیا۔ جس سے حکومت کی تبدیلی پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے مکہ، نجران، بحرین اور جرش کے والیوں کا ذکر کیا گیا۔ فتوح البلدان میں حضرت العلاء کو معزول کر کے حضرت ابان بن سعید کو بحرین کا والی بنانے کا ذکر ہے۔

بعض گورنروں کو معزول یا تبدیل بھی کیا گیا۔ ان میں سے مکہ، نجران اور جرش کے پہلے گورنروں کی تقرری عارضی یا مختصر مدت کے لیے تھی جبکہ ان کے جانشینوں کی تقرری مستقل تھی۔ بحرین کے گورنر حضرت علاء بن حضرمی کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے۔ بعض سے ان کی معزولی کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی جگہ حضرت ابان بن سعید اموی کی تقرری کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن صحیح وہ روایت معلوم ہوتی ہے جس کے مطابق دونوں حضرات بحرین کے دو الگ الگ علاقوں کے حکمران تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے پہلے نجران میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا پھر حضرت عمرو بن حزم کو مقرر کیا۔ الکامل میں اس طرح ذکر کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنو حارث بن کعب کے پاس نجران میں بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں تین بار اسلام کی دعوت دو، اگر انہوں نے جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کے درمیان رہنا اور انہیں اسلام کے احکام سکھانا اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان سے جنگ کرنا، حضرت خالد ان کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے جواب دیا اور اسلام قبول کر لیا، تو ان کے درمیان رہے اور خط لکھا اور آپ کو ان کے اسلام کا بتایا، اور خالد اپنے وفد کے ساتھ واپس آئے، ان میں قیس بن الحسین بن یزید بن قینان (2) ذوالغاصہ (3) اور یزید بن عبد اللہ تھے۔ مدن اور دوسرے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پھر آپ کے پاس سے باقی شوال یا ذوالحجہ میں واپس آئے، اور عمرو بن حزم کو ان کے پاس بھیجا گیا کہ وہ انہیں اسلام کے احکام سکھائیں اور ان کا صدقہ لیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ایک خط بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت ہوئی جب عمرو بن حزم نجران میں تھے۔[1]

سعد بن عبادہ کو امیر لشکر سے معزول کرنا

حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا دیا۔ عبد اللہ بن ابی سے مروی ہے کہ جس وقت ذی طوی سے، فوج کو جنگی حکمت عملی کے طور پر حصے بنائے اور تقسیم کی گئی، آپ نے زبیر سے کہا کچھ لوگوں کو کداء سے مکہ میں داخل کریں، زبیر آپ کے میسرہ پر تھے انھوں نے سعد بن عبادہ کو اس سمت سے بڑھنے کا حکم دیا۔ بعض علمائے سیر لکھتے ہیں سعد مکہ کے اندر چلے ہی تھے کہ انھوں نے کہا کہ آج بے دریغ قتل کا دن ہے آج کعبہ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا جائے گا ان کے اس جملہ کو مہاجرین میں سے کسی صاحب نے سن لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ذرا سنیے یہ کیا کہہ رہے ہیں اور ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ یہ قریش پر زیادتی کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب سے کہا تم فورا سعد کے پاس پہنچو اور جھنڈا ان سے لے لو اور تم خود جھنڈا لے کر مکے میں داخل ہو۔

---

[1] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، 158/2

باب سوم

عہد خلافت راشدہ اور مسلم مفکرین کی آراء سے انتقالِ اقتدار کے اصول کا استنباط

فصل اول: خلافت راشدہ کے نظائر سے استنباط

فصل دوم: مسلم مفکرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

فصل اول

خلافت راشدہ کے نظائر سے استنباط

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اہم اور فوری طور پر جو مسئلہ در پیش ہوا وہ خلیفہ کا تقرر تھا۔

انعقاد خلافت:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اہم اور فوری طور پر جو مسئلہ در پیش ہوا وہ خلیفہ کا تقرر تھا۔ سیرت، تاریخ اور احادیث کی کتب میں اس کی تفصیل ملتی ہے مگر یہاں صرف عنوان کی مناسبت سے مختصر طور پر ذکر کیا جائے گا۔

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

چبوترہ سعد بن عبادہ کے اندر انصار مدینہ کی بسلسلہ خلافت مشاورت ہو رہی تھی جس میں بعد میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور کچھ مہاجرین بھی شامل ہو گئے تھے۔ مشاورت کے بعد اتفاق رائے جناب ابو بکر کی خلافت پر اتفاق کیا گیا۔ بعد میں عام عوام سے مسجد نبوی میں بیعت لی گئی۔ [1]

اس طرح مشاورت، بیعت اور عوام کی مرضی سے ایک حکومت کی تشکیل ہوئی۔ نہ تو اس خلافت کی خواہش کی گئی، نہ بطور وراثت اور نہ مال و دولت کا حصول مقصود تھا۔ پھر خلیفہ اول نے مشہور خطبہ دیا۔ جس میں ان باتوں کا بھی ذکر کیا

1۔ میں نے خلافت کی خواہش نہیں کی۔ بلکہ مشاورت سے یہ ذمہ داری دی گئی۔

2۔ میں تمھاری طرح ہوں۔

3۔ اچھے کام میں مدد کرنا۔

4، میرا احتساب کرنا یعنی غلط کام کی اصلاح کرنا۔

5۔ اگر میں خدا و نبی اللہ کے راستے پر ہوں تو میری بات پر عمل کرنا۔ [2]

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج ص7,8

[2] ابن اثیر، الکامل، 33/3

اس پہلے خطبے میں ہی آپ نے واضح کے دیا کہ میرے حکم پر عمل کا وجوب ایک ہی صورت میں ہے، جب میں خدا و نبی اللہ کے حکم کے مطابق حکم دوں۔ وگرنہ خلافت کا حقدار نہیں۔

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

جناب ابو بکر نے قبل از وصال اپنے اکابر صحابہ علیہ الرصوان سے جناب عمر کی خلیفہ نامزدگی پر مشورہ کیا جن میں عثمان غنی، علی المرتضیٰ، عبدالرحمٰن ابن عوف، طلحہ ابن عبید اللہ اور سعید ابن زید کے علاوہ دیگر مہاجرین وانصار بھی شامل تھے۔ پھر عمومی بیعت لی گئی۔ [1]

اس انتخاب کا طریقہ مشاورت، بیعت، عوامی رائے سے ایک حکومت کی تشکیل ہوئی۔ نہ تو اس خلافت کی خواہش کی گئی، نہ بطور وراثت اور نہ مال و دولت کا حصول مقصود تھا۔ اس میں مشاورت کی روح موجود تھی مگر اس کی ہیت مختلف تھی۔

جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نامزدگی:

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل 6 صحابہ کرام علیہم الرضوان کا نام ایک مشاورتی کمیٹی کی حیثیت سے تجویز کیا۔ جس میں علی المرتضیٰ، عثمان غنی، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن شامل تھے۔ ان کے فیصلے کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا۔ پھر لوگوں نے مسجد نبوی میں بیعت کی۔ [2]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں بھی مشاورت، بیعت اور عوام کی مرضی سے ایک حکومت کی تشکیل ہوئی۔ نہ تو اس خلافت کی خواہش کی گئی، نہ بطور وراثت اور نہ مال و دولت کا حصول مقصود تھا۔ اس میں مشاورت کی روح موجود تھی مگر اس کی ہیت مختلف تھی۔

جناب علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب

جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو آپ نے ابتدائی طور پر خلیفہ بننے سے معذرت کی پھر مسلمانوں کے اصرار اور رضامندی سے آپ نے خلافت کو قبول کیا۔ مسجد نبوی میں لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ [3]

حضرت علی کا انتخاب مشاورت، بیعت، عوام کی مرضی سے ایک حکومت کی تشکیل ہوئی۔ نہ تو اس خلافت

---

[1] علوی، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، ص 117

[2] ایضا

[3] ابن اثیر، الکامل، 33/3

کی خواہش کی گئی، نہ بطور وراثت اور نہ مال و دولت کا حصول مقصود تھا۔ اس میں مشاورت کی روح موجود تھی مگر اس کی ہیت مختلف تھی۔

ڈاکٹر مستفیض علوی لکھتے ہیں

"ان کی شہادت کے بعد بعض افراد جمع ہوئے، ان کا ارادہ تھا کہ جناب علی کی خلافت قائم کریں مگر انھوں نے مسترد کر دیا اور اس کے لئے کبار صحابہ کی مشاورت کا کہا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے اہل شوریٰ پر موقوف کیا۔ جب آپ پر حملہ ہوا تو امام حسن کی خلافت کو شوریٰ پر موقوف کی۔ "[1]

خلیفہ کے انتخاب کے بنیادی اصول:

اسلام میں بنیادی حیثیت اصول اور اس کی روح کی ہوتی ہے۔ اس کے ہیت کچھ بھی ہو۔ اسی طرح خلافت کے اصول تو خلافت راشدہ کے دور میں موجود تھے۔ مگر ان کی ہیت مختلف تھی۔ اس طرح مشاورت، بیعت اور عوام کی مرضی سے ایک حکومت کی تشکیل ہوئی۔ ان چیزوں کی نفی کی گئی۔ خلافت کی خواہش، بطور وراثت او مال و دولت کا حصول

ڈاکٹر مستفیض علوی لکھتے ہیں

"خلافت کے انعقاد کی بنیادی حیثیت کی چیزیں شوریٰ، عوامی رضامندی اور بیعت عمومی تھی۔ جبکہ خلافت کی خواہش، بطور وراثت خلافت کا حصول اور مال و دولت کا حصول کے لئے خلیفہ بننا ان چیزوں کی نفی کی گئی۔

اس کے بارے میں ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ پہلے چار خلفاء کے معاملے میں یقینی طور پر انتخاب میں سے کچھ تھا، نہ تو موروثی جانشینی کا کوئی سوال، نہ انتخاب تعلقات کے لحاظ سے متاثر ہوا تھا۔".[2]

اسی طرح اہلیت، صلاحت اور صالحیت کو بھی خلافت کے انتخاب میں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ خلفا راشدین کے انتخاب سے استنباط کرتے ہوئے علماء اسلام نے مسلمانوں کے خلیفہ و امام کے لئے درج ذیل شرائط کا انتخاب و اہلیت مقرر کی ہیں۔ متقدمین اور متاخرین تمام اسلامی سیاسی مفکرین نے ان بنیادی اصولوں کو ذکر کیا ہے۔ اور اپنے وقت کے اعتبار سے قابل عمل بنانے ہر زور دیا ہے۔

1 اسلام، اخلاق و کردار

2 آزاد بالغ اور مرد ہونا

3 علم اور اجتہادی بصیرت سیاسی تدبر

---

[1] علوی، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، ص 117

[2] Arnold,TW, The Caliphate,London:Oxford University Press p:22

4قریشی ہونا(اختلاف ہے کہ یہ شرط صرف عرب کے مخصوص حالات کے لئے تھی)۔

علامہ ابن خلدون نے منصب امامت کی چار شرائط بیان کی ہیں۔ علم(اجتہادی بصیرت),عدالت, کفایت (ہمعصر خاندانوں پر فوقیت,صلاحیت, جرأت, فہم وشعور) سلامتی(محروم الاعضاءاور محروم الاختیار نہ ہو)۔ [1]

ایک ذمہ دار حکومت:

خلفاراشدین نے خلیفہ بننے کے کئے کوئی ذاتی اثر ورسوخ استعمال کیا، وہ اس کے امیدوار نہیں تھے، مقصد کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا بھی نہیں تھا۔ لیکن جب بنایا گیا تو انھوں نے دن رات محنت کی اور اس کو پورا کرنے کے لئے کسی نقصان کی پرواہ نہ کی۔ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب، پہلا خطبہ اور عہد خلافت اس کا عملی ثبوت ہے [2]

جناب عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب،اور یہ خطبہ، عملی ثبوت ہے۔ اس خطبہ میں انھوں نے واضح کر دیا کہ حکمران کی اطاعت اس وقت تک ہے کہ خدا کا حکم مانیں، دوسرا یہ کہ اگر میں تمھاری حق تلفی کروں تو تم مجھ سے اپنا حق لے سکتے ہو۔[3]

جناب عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب، عہد خلافت ،یہ خطبہ اس کا عملی ثبوت ہے ۔اس میں انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ تین اصولوں کو عہد کرتے ہیں۔ سابقہ خلافت کے رائج متفقہ قوانین قائم رکھوں گا، نئے مسائل کے حل مشاورت سے کیا جائے گا اور شرعی ثبوت کے بغیر کوئی سزا نافذ نہیں کروں گا۔[4]

شورائی حکومت:

خلفاراشدین کے انتخاب، عہد خلافت اور ان کا یہ خطبات شوریٰ کے ں ظام اور اس کی اہمیت کا عملی ثبوت ہے۔ شوریٰ کی اہمیت ہر قرآنی احکام بیان ہوئے ان کی عملی مثالیں جو ذکر ہوئیں ان سے اس کے اہمیت واضح ہوتی ہے۔

خلفاراشدین کے انتخاب، عہد خلافت اور ان کا یہ خطبات شوریٰ کے ں ظام اور اس کی اہمیت کا عملی ثبوت ہے۔

موسیٰ اشعری کے نزدیک خلیفہ مشاورت ہے جب کہ بادشاہت قبضہ ہے۔[5] جناب ابو بکر نے پہلے خطبہ مین فرمایا

---

[1] ابن خلدون, مقدمہ: 91,371/1

[2] ابن ہشام، سیرۃ النبی : 311/4

[3] ابو یوسف، کتاب الخراج: 117

[4] الطبری، تاریخ الامم والملوک 446/3

[5] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، طبقات: 113/4

" فإن أحسنت فأعينوني، وإن أسأت فقوموني "[1]

(اگر مجھے سیدھے راستے پر دیکھو تو میری پیروی کرواور اگر مجھے سیدھے راستے سے ہٹا ہوا پاو تو درست کردو۔)

آپ کی شوریٰ کے اہم اراکین میں حضرت عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن، معاذ، شامل ہوتے۔جناب عمر رضی اللہ عنہ نے بھی شوریٰ اہتمام کیا۔ان کے نزدیک شوریٰ کے بغیر خلافت نہیں ہے۔عہد خلافت میں شوریٰ کے اہم اجلاسوں کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ خلفاء راشدین کا انتخاب مشاورت سے ہوا، جیش اسامہ, منکرینِ زکوۃ, معاہدہ بیت المقدس (15ھ) اس کا بہترین عملی نمونہ ہے۔ [2]

جناب عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس شوری نے ہر اہم معاملے میں فیصلے کئے۔یہ شورائیت کسی خاص علامتی ایوان تک محدود نہیں رہتی تھی بلکہ حقیقی آزادی رائے سے مزین عوام کا یہ اختیار عمل کے میدان میں ثابت رہا۔ اس کی رائے عصر جدید کی سیاسی پارٹی بازی کے برعکس کسی سیاسی مفاد اور طبقاتی وابستگی کی آلودگی سے بالاتر ہوتی جو بلا کم و کاست ایوان میں پیش ہو جاتی۔ جناب عمر مجلس مشاورت قائم کرتے،ان کا مقصد لوگوں کو امانت خلافت میں شریک کرنا تھا، وہ لوگوں کو آزادی رائے اور اختلاف کا مکمل اختیار دیتے تھے۔ [3]

عہد عمر کی ایک مجلس عام تھی جس کا اجلاس وقتاً فوقتاً طلب کیا جا سکتا تھا اور اہم امور پر مشاورت ہوتی۔اس مجلس میں قبائل کے سردار بھی شرکت کے لئے آتے شوریٰ کا انعقاد اس طریقہ پر کیا جاتا کہ منادی کرنے والا خلیفہ کیطرف سے الصلاۃ جامعہ کے الفاظ سے شوریٰ کے اجلاس کا اعلان کرتا۔لوگ مسجد میں آجاتے تو فاروق اعظم صلاہ پڑھ کر بحث طلب مسئلہ سے متعلق لوگوں کو بتاتے اور مشاورت ہوتی۔جناب عثمان عمال حکومت کی ایک مجلس شوریٰ کے قیام پر کوشش کی تھی۔علاوہ ازیں آپ تحریری آراء بھی طلب کرتے۔ کوفہ کے فتنہ میں آپ نے اسی طریقہ پر عمل کیا۔32ھ میں ملکی اصلاحات کے لئے آپ نے عمال کی مجلس منعقد کی۔

---

[1] ابن کثیر،البدایۃ والنھایۃ،5/ 248

[2] الطبری: تاریخ الامم والملوک 199/3

[3] ابو یوسف، کتاب الخراج:25

مرکزی حکومت:

اسلامی ریاست کا نظام حکومت ایک مرکزی نظام حکومت تھا۔ شہر مدینہ کو مرکزی حیثیت دی گئی تھی پھر جوں جوں اس کی وسعت میں اضافہ ہوتا گیا تو اس کو صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ تمام اختیارات مرکزی حکومت کے سربراہ کے پاس تھے جس کو امیر المومنین کہا جاتا تھا۔ اس مملکت کے تمام امور گورنر کا انتخاب و معزولی، عدالتی معاملات، امور معاش، امور سیاست، جنگی، دفاعی اور تمام شعبہ جات اس کے اختیار میں ہوتے تھے۔ خلیفہ اول تقسیم ریاست پر کاربند تھے۔ چھوٹے حصوں میں، خاص خاص صوبے یہ تھے مدینہ، مکہ، طائف، نجران، بحرین دومۃ الجندل، عراق اور دمشق فلسطین مرکز خلافت مدینہ منورہ تھا جہاں مرکزی شعبہ جات قضا، شوریٰ، افتاء کتابت اور دفاع قائم تھے۔

خلیفہ والی اور گورنر کا انتخاب کرتا تھا۔ جو حکم دیا جاتا تھا اس کی پیروی لازم تھی۔ جناب عمر کی خلافت میں حدود ریاست میں وسعت ہوئی اور اسلامی ریاست کا دائرہ بہت بڑھ گیا۔ اس دور میں زراعت کے شعبہ میں اصلاحات ، ٹیکس، مردم شماری، محکمہ پولیس، بیعت المال، صوبے کے معاملات اور مختلف شعبہ جات کی نوعیت اور ان کے سربراہ کا تعین مرکزی شوریٰ کرتی تھی۔ [1]

حکام کی نگرانی واحتساب:

خلافت راشدہ کی مرکزی حکومت میں حکام کے انتخاب میں حد درجہ احتیاط برتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی مسلسل نگرانی کی خبر گیری کا اہتمام مستقل طور پر جاری رہتا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ عوام کو سوال و اعتراض کرنے کی اجازت دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے جب کہا کہ خدا سے خوف رکھو، اس جملے کو اس نے سب کے سامنے کہا مگر آپ نے اسے اس جملے کے کہنے پر کچھ نہ کہا اور نہ اسے خاموش کروانے دیا اسے اپنی شکایت اور موقف کو بیان کرنے کی اجازے دی بلکہ فرمایا یہ اس کا کام ہے اور اس کی بات سننا ہمارا کام ہے۔ [2]

احتساب سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔ وہ مبارک ہستیاں اپنے آپ کو عام انسان تصور کرتی تھیں اور آخرت کو اس فانی دنیا پر ترجیح دیتیں تھیں۔

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابہ۔ 71/4

[2] الطبری، تاریخ الامم والملوک 274/7

حکام کو معزول و تبدیل کرنا:

آپ احتساب کے معاملے میں نرمی نہ کرتے، تھے۔اس میں جلدی کرتے اور والیوں، گورنروں، حکام کو غلطی پر پاتے تو فورا تحقیق کر کے انھیں معزول و تبدیل کر دیتے۔آپ نے احتساب کر کے کبار صحابہ کو بھی معزول کیا جن میں خالد بن ولید، ابو موسیٰ اشعری، سعد، ابی بن کعب رضی اللہ عنھم کا نام شامل تھا۔[1]

جناب عثمان بھی احتساب، طریقہ کار کی بڑی اہمیت دی۔جب بھی کسی کا جرم ثابت ہو گیا تو اسے فوری طور پر معزول و تبدیل کر دیا۔آپ نے بصرہ کے گورنر کو معزول کیا۔[2]

قانون کی بالادستی:

عہد خلفا راشدین میں عدالتیں مکمل آزاد تھیں۔خلیفہ وقت ہو یا عام شہری سب قانون کی نظر میں برابر تھے۔اس وقت خلیفہ قاضی کے تقرر کا اختیار رکھتا تھا۔مگر ان کے فیصلوں میں دخل کا دور دور تک نام ونشاں تک نہ تھا۔وہ کسی بھی وقت خلیفہ کو کسی مقدمے میں طلب کر سکتے تھے۔مقدمے کی تمام کاروائی قانون کے مطابق کرنے میں مکمل آزاد تھے۔اگر خلیفہ وقت پر کوئی جرم ثابت ہوتا تو فیصلہ کرنے میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے مساوات اور انصاف کی خصوصی تاکید کی۔اور اسے خلیفہ وقت (حضرت عمر)اور عام شخص کو ایک جیسا نہ سمجھنے کا کہا۔اور اسے اس کے منصب کی اہلیت کا معیار قرار دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں قاضی نے ان کے مخالف عیسائی کے حق میں فیصلہ دے دیا[3]

جب حضرت علی اپنے عہد خلافت میں کسی مقدمے میں قاضی شریح کی عدالت میں تشریف لائے وہ آپ کے لئے کھڑے ہو گئے تو انھوں نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور اسے ناانصافی تصور کیا۔[4]

اس سے خلفاء راشدین کے نزدیک مساوات اور انصاف کی عملی صورت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔وہ اس پر سختی سے عمل کرتے تھے۔

---

[1] ابن اثیر، الکامل، 418/2

[2] الطبری، تاریخ 292/8

[3] علوی، مستفیض احمد، ڈاکٹر، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، ص125

[4] ابن خلکان، وفیات الاعیان 198/2

خلافت راشدہ کے اصول سیاست:

حاکمیتِ اعلیٰ:

خلفاء راشدین نے قرآن و سنت سے ماخوذ اصول اقتدار اعلیٰ کو عملی طور پر نافذ کیا اور ہر شعبہ سیاست میں اللہ تعالیٰ کے مقتدر اعلیٰ ہونے کو ملحوظ رکھا۔ جس بھی معاملے میں حکم اللہ تعالیٰ آگیا من و عن اس کو نافذ کر دیا۔ خلافت راشدہ نہ تو کسی فرد واحد کی مطلق العنانیت تھی اور نہ ہی کسی گروہ یا جماعت کی اجارہ داری بلکہ عوام الناس کے رضا کارانہ عہد اطاعت یعنی بیعت کی بنیاد پر قائم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جانشینی تھی جس میں حاکمیت اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ مالک الملک خدائے واحد کو حاصل تھا۔ لہٰذا خلافت عوام الناس کی مرضی یعنی General Will کی بجائے مالک حقیقی کی رضا یعنی Divine Will کے عملی نفاذ کی سیاسی حکمت عملی کا نام تھا۔ خلفا راشدین کے اقوال وارشادات اور طرز حکومت بھی اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں اس کو بیان کیا

" اطیعوني ماطاعت الله ورسوله فان عصیت الله ورسوله فلاطاعة لي علیکم -"[1]

(میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں پس جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں ہے۔)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اللہ کی حاکمیت کو سیاسی اصول قرار دینے کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد کو والی مصر بنایا تو سرکاری دستاویز کے طور پر احکام نامہ جاری کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے کہا کہ

"اقْضِ بما استَبانَ لَکَ من کتَاب الله"[2]

(فیصلہ کرو جو تمہارے لئے اللہ کی کتاب سے واضح ہو۔)

حضرت عمر کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر دال ہے۔

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، 5/ 248

[2] الطبری، تاریخ 550/3،

عوامی نمائندگی:

حکومت سازی سے لے کر تمام معملات حکومت مین عوام کی رائے اور خوائش کا احترام ضرور ہے۔اسکی عملی صورت شوریٰ میں عوامی رائے کا خیال رکھ کر فیصلے کئے جاتے تھے۔اس کی دوسری صورت شعبہ بیعت تھا۔

عہد خلافت میں عوامی رائے کے لئے حد مقرر تھی۔ عوامی رائے کی وجہ سے جواز وعدم جواز جو قرآن وحدیث میں بیان کر دئے گئے ہیں، کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔اور تمام شہری اس میں برابر کے حق دار ہیں کسی کو اس اعتبار سے کسی ہر کوئی امتیاز نہیں تھا۔ [1]

انسانی مساوات:

اسلام میں انسانی مساوات پر بڑا زور دیا گیا۔ خلفا راشدین نے اپنے عہد خلافت میں بھی اس کا خیال رکھا۔ حضرت سلمان فارسی کو شوریٰ میں شامل لیا گیا۔اور حضرت بلال کو غلام نہیں بلکہ سردار کا لقب دیا گیا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یروشلم معاہدہ کے لئے گئے تو ایک سواری تھی جس کو آپ نے غلام کے ساتھ شریک کیا۔اسی طرح جب حضرت علی اپنے عہد خلافت میں ایک ذمی کے ساتھ مقدمے میں قاضی شریح کی عدالت میں تشریف لائے وہ آپ کے لئے کھڑے ہو گئے تو انھوں نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور اسے ناانصافی تصور کیا۔[2]

نوعیت ریاست:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کو خلافت کے لئے منتخب ہونے پر اپنے خاندان کے افراد کو عہدے تقسیم نہ کرنے کی وصیت کی تھی۔ [3]

آئین ریاست اور ریاستی منشور:

کسی بھی ریاست میں دستور وآئین کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جس کے مطابق نظام حکومت چلایا جاتا ہے۔اسلام میں قرآن کو بنیادی دستور کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ میں

---

[1] علوی، مستفیض احمد،ڈاکٹر،ریاست وحکومت کے اسلامی اصول،ص128

[2] ابن خلکان،وفیات الاعیان ,198/2

[3] الطبری،تاریخ:293/3

اس کو بطور دستور نافذ کیا۔ خلفاء راشدین نے بھی اسی پر عمل کیا اور قرآن مجید کو بنیادی دستور بنایا۔ اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے ہوئی۔

خلافت راشدہ کے والیوں کی تفصیل:

عہد خلفاء راشدین میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔اس طرح اسلامی ریاست کے رقبے میں اضافہ ہوتا رہا۔اس اضافے سے انتظامی امور کی نگرانی کی ضرورت درپیش تھی۔اسلامی ریاست کو منظم رکھنے کے لئے صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر صوبے پر ایک والی مقرر کیا جاتا جو اس صوبے کے تمام انتظامی، سیاسی، معاشی اور دینی وغیرہ امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ والی کا تقرر خلیفہ کرتا تھا۔ یہ تقرر ہمیشہ کے لئے ہوتا اور کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ والی کو کبھی بھی معزول و تبدیل نہیں کیا جا سکتا بلکہ کسی بھی انتظامی نااہلی یا جرم کی صورت میں تحقیق کے بعد فورا خلیفہ کے حکم سے معزول و تبدیل کر دیا جائے گا۔اور قانون کے مطابق سزا بھی دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والیوں کی نگرانی اور احتساب میں بہت سخت تھے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والیوں کی فہرست:

علامہ ابن اثیر نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والیوں کی تفصیل اس طرح لکھی ہے

"كَانَ عامِلُه على مكّةَ عتاب بن أُسيد، ومات في اليوم الّذي مات فيه أَبو بكْر ، وقيل مات بعده. وكَانَ على الطّائف عثْمانَ بن أَبي الْعاص وعلى صنْعاء المهاجر بن أَبي أُمية، وعلى حضْرموت زياد بن لَبيد الْأَنْصاري، وعلى خولَان يعلَى بن منْية، وعلى زبيد ورمع أَبو موسٰى ، وعلى الجند معاذُ بن جبل ، وعلى البحرين الْعلَاء بن الْحضْرمي وبعث جرير بن عبد الله إلى نجران وعبد الله بن ثَور إلى جرش، وعياض بن غَنم إلى دومة الْجنْدل. وكَانَ بالشّام أَبو عبيدة وشرحبيل ويزيد وعمرو، وكُلُّ رجل منْهم على جنْد وعلَيهم خالد بن الْوليد". [1]

(مکہ میں ان کا گورنر عتاب بن اسید تھا، اور وہ اسی دن فوت ہوئے جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔اور کہا گیا کہ وہ اس کے بعد فوت ہوئے ۔اور طائف پر عثمان بن ابی العاص، صنعاء پر مہاجر بن ابی امیہ، حضرموت پر زیاد بن لبید الانصاری، خولان پر یعلیٰ بن منیہ، زبید اور رمع پر ابو

[1] ابن الأثير، علي بن أبي الكرم محمد بن محمد أبي عبد الكريم بن عبد الواحد الشيباني، الكامل في التاريخ دار الكتاب العربي بيروت لبنان 2012 ص 263

موسیٰ، جندپر معاذ بن جبل اور بحرین پر علاء بن الحضرمی تھے۔ اس نے جریر بن عبد اللہ کو نجران، عبداللہ بن ثور کو جراش اور عیاض بن غنم کو دومہ الجندل بھیجا۔ شام میں ابو عبیدہ، شرحبیل، یزید اور عمرو تھے اور ان میں سے ہر ایک جندپر تھا اور ان پر خالد بن ولید تھے۔)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں والیوں کی تبدیلی:

آپ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں والیوں کو تبدیل کیا گیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست میں حکومت کی تبدیلی کی جاسکتی ہے اور اس کے اصول کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ بنے تو بہت سے گورنروں نے استعفی دے دیا۔ تو آپ نے ان کی جگہ دوسرے افراد کو مقرر کر دیا۔

”أَمَّا النّظَام الْإِداري لِلدولَة الْإِسلَامِيّة فِي عهدالصّدّيق رضي الله عنْه فَهو امِيدَادٌ للنّظَام الإِداري فِي عهد النَّبوَّة، إِلّا أَنَّ بعض عمَّال رسول الله صلّى الله علَيه وسلَّم أَبوا أَنْ يعملُوا لغيرِه۔ “[1]

(جہاں تک صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی ریاست کے انتظامی نظام کا تعلق ہے تو یہ عہد رسالت کے انتظامی نظام کی توسیع ہے، سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند کارکنان نے کسی اور کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا۔)

ان کے دور میں ان تمام کاموں کو جاری رکھا گیا جو نبوی دور میں شروع ہوئے۔

حضرت مہاجر ابن ابی امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنایا تھا جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یمن کا والی بنا دیا۔ نبی ﷺ نے انھیں صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا تھا، نبی ﷺ کی وفات تک بیماری کی وجہ سے مدینہ میں ہی رہے، بعد میں "زیاد بن لبید" کو خط لکھا (زیاد یمن میں رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے)، جب بیماری سے نجات ملی تو فتنہ ارتداد کا زمانہ تھا، ابو بکر صدیق نے فتنۂ ارتداد کی جنگیں میں یمن میں اسود عنسی سے مقابلہ کے لیے ان کے ہاتھ میں جھنڈا دیا تھا، جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد ابو بکر صدیق نے انھیں یمن اور محافظہ حضر موت کی ولایت کا اختیار دیا، انھوں نے یمن کو اختیار کیا۔[2]

---

[1] راغب السرجاني (2006): الإدارة في الحضارة الإسلامية، قصة الإسلام
http://islamstory.com/ar/artical/23393

[2] العمري، عبد العزيز بن إبراهيم، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين) سعودیہ: دار اشبیلیة، 2001(ص 59

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران بھیجا اور وہاں کا عامل بنایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں وہیں قائم رکھا۔ پھر تبدیل کر کے انھیں عراق کی جنگ میں شرکت کے لئے روانہ کیا۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ خلیفہ اول ابو بکر صدیق کے اقتدار سنبھالنے اور خلیفہ بننے کے بعد پیغمبر اسلام محمد ﷺ کے ذریعہ متعین کردہ بہت سے والیوں نے دوسرے خلیفہ کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے عہدہ سے دستبردار ہو گئے، ابو بکر صدیق نے نئے والیوں کو مقرر کیا۔

حضرت عمر بن خطاب کے والیوں کی فہرست :

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انتظام حکومت کو منظم مربوط کرنے کے لئے مختلف اوقات میں گورنر بنائے اور ان کا مکمل محاسبہ کیا۔ ہر وقت ان کی نگرانی کرتے، عوام سے ان کے بارے میں معلومات لیتے ۔کسی کو مستقل اس کے عہدے پر نہ رکھتے تھے۔

مکہ: محرز بن حارثہ: حضرت محرز بن حارثہ کو مکہ کا والی بنایا۔ اس کے بعد ان سے ولایت لے لی گئی۔[2]

قنفذ بن عمیر تمیمی: حضرت عمر نے حضرت قنفذ بن عمیر تمیمی کو حضرت محرز بن حارثہ کی جگہ والی مکہ بنایا۔ جلد ہی اپنے عہدے سے ہٹا دیے گیے۔[3]

نافع بن عبد الحارث خزاعی: حضرت عمر نے حضرت نافع بن عبد الحارث خزاعی کو حضرت قنفذ بن عمیر کی جگہ والی مکہ بنایا۔ پھر اپنے عہدے سے ہٹا دیے گئے۔ مکہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ وہ ان کے ہوتے ہوئے اپنے لئے اس عہدے کو مناسب نہیں سمجھ رہے تھے[4]۔

تاریخ الرسل والملوک میں لکھا ہے کہ بعض روایات میں ان کی دوبارہ تعیناتی بھی کی گئی[5]۔

خالد بن العاص: حضرت عمر نے حضرت خالد بن العاص کو حضرت نافع بن عبد الحارث خزاعی کی جگہ والی مکہ بنایا۔[6]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یکے بعد دیگرے مکہ کے چار والیوں کو تبدیل کیا۔ جس سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ صوبائی حکومت کو خلیفہ وقت کسی بھی وقت تبدیل کر دیتے تھے۔

---

[1] الذهبي، محمد بن احمد، سير أعلام النبلاء، (بيروت: موسسہ الرسالہ، 1982((2/ 531: 537

[2] الذهبي، محمد بن احمد، تجريد أسماء الصحابة، (الهند، بمبی، طبعة شرف الدين الكتبي، 1970م، (2/ 52

[3] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين ص 91

[4] المزي، يوسف بن عبد الرحمٰن، تهذيب الكمال في أسماء الرجال (بيروت: موسسہ الرسالہ، 1993)

[5] الطبری، تاریخ الرسل والملوک، 42/55

[6] ابن حجر، أحمد بن علي، الإصابة في تمييز الصحابة،) بيروت: دار الكتب العلمية 1995)، 2/، 205

طائف: عثمان بن ابی العاص ، حضرت عثمان بن ابی العاص کو حضرت عمر نے تقریبا دو سال تک طائف کی ولایت پر قائم رکھا۔ عمر بن خطاب کے زمانے میں دو سال تک طائف کے والی رہے، پھر جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی اور قبول ہوئی.[1] سفیان بن عبداللہ: حضرت عثمان بن العاص کو معزول کر کے بحرین روانہ کرنے کے بعد حضرت عمر نے حضرت سفیان بن عبداللہ کو طائف کی ولایت عطا کر دی۔[2]

اس طرح طائف میں حضرت عمر نے ایک والی کو معزول کر کے اس کی جگہ دو سے والی کو تعینات کیا۔ جس سے حکومت کی تبدیلی کا پتا جلتا ہے۔

بحرین: علاء الحضرمی، حضرت عمر کے عہد میں حضرت علاء الحضرمی بحرین کے والی تھے۔ان کو معزول کر دیا گیا۔ حضرت عمر کسی قسم کی حکم عدولی قبول نہیں کرتے تھے۔

معزولی کی وجہ، حضرت عمر کی اجازت کے بغیر جنگ کے دوران بحری راستے کا استعمال کیا تھا۔[3]

عثمان بن ابی العاص، حضرت عمر نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو علاء الحضرمی کی جگہ والی بحرین و عمان بنایا۔ یہ اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص کو مقرر کر کے عمان چلے گئے ۔ حضرت ابو ھریرہ کو جب معزول کیا گیا تو دوبارہ پھر حضرت عمر نے بحرین کا والی بنا دیا۔ آپ بعض اوقات ایک والی کو کسی اور جگہ مناسب عہدہ اور انتظام دینے کے لئے منتقل کر دیتے۔

معزولی کی وجہ، جنگ کے دوران بصرہ روانہ کیا۔ جہاں فوج کا امیر بنایا گیا۔[4]

عیاش بن ابی ثور: حضرت عیاش بن ابی ثور کو حضرت عمر نے حضرت عثمان بن ابی العاص کی جگہ والی بحرین بنایا۔[5]

قدامہ بن مظعون: حضرت قدامہ بن مظعون کو حضرت عمر نے حضرت عیاش بن ابی ثور کی جگہ والی بحرین بنایا۔ جب معزول کیا تو باقاعدہ تفتیش کی۔

معزولی کی وجہ: دربارے خلافت میں شکایت کی گئی کہ انھوں نے شراب پی ہے۔ان پر شراب کی حد بھی جاری کی۔ [6]

---

[1] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين ص94

[2] ابن اثير، أسد الغابة، 496/2

[3] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين ص98

[4] البلاذری، فتوح البلدان، ص- 193

[5] ابن اثير، أسد الغابة، 4/ 308

[6] ابن حجر، الإصابة في تمييز الصحابة، 5/ 322".

حضرت ابو ہریرہ: حضرت ابو ہریرہ کو حضرت عمر نے حضرت قدامہ بن مظعون کی معزولی کے بعد بحرین کی ولایت پر تعینات کیا۔ پھر معزول کر دیے گئے۔ معزولی کی وجہ، مالی اعتبار سے شکایت کی گئی۔ ولایت سے معزول کر کے تحقیق کی گئی۔ جو تحقیق کے بعد غلط ثابت ہوئی۔ حضرت عمر نے الزام غلط ثابت ہونے کے بعد عہدے پر بحال کرنے کا کہا مگر انھوں نے معذرت کر دی[1]۔

الغرض بحرین میں حضرت عمر نے پانچ والیوں کو تبدیل کیا۔ جس سے پتا چلا کہ کسی بھی عہد دار کو، والی اور حکومت کو کسی بھی وقت معزول و تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی الزام ہے تو اس کو فورا معزول کر کے اس کی جگہ دوسرا والی بنا کر آزادانہ تحقیق کی جائے، جرم ثابت ہو تو سزا بھی دی جائے۔ اگر وہ بے گناہ ہو تو عہدے پر بحال کیا جائے۔

خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا

مصر: عمرو ابن عاص، حضرت عمرو بن عاص اس جنگ کے امیر تھے جس میں مصر کو فتح کیا گیا۔ جب مصر اسلامی ریاست میں شامل ہو گیا تو انھیں ولایت پر تعینات کر دیا گیا۔ فلسطین اور عمان کی ولایت بھی انھیں دی گئی۔[2]

یمن (صنعاء) یعلی بن امیہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حلوان کی عاملیت پر تعینات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یمن کی ولایت دی گئی۔[3]

یمن (الجند): عبداللہ بن ابی ربیعہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یمن کی ولایت پر مامور رہے۔[4]

ولایتِ عامہ شام: ابو عبیدہ بن جراح، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شام کی ولایت سونپی۔ اس سے پہلے اس کے والی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تھا۔

آپ مدینہ بلا کر مکمل تحقیق کرتے تھے۔

یزید بن ابو سفیان: حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی طاعون میں وفات ہو گئی تو ان کو ولایت دی گئی۔[5]

---

[1] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين ص 101

[2] ابن اثیر، الکامل. 567/2،

[3] یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب في معرفة الأصحاب، بیروت: دار الجیل 1992) 4/ 147.

[4] ایضا 31/3

[5] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين ص 123، 124

معاویہ بن ابوسفیان: حضرت یزید بن ابوسفیان کی وفات کے بعد شام کے والی نامزد ہوئے۔ [1]

حمص اور جزیرہ: عیاض بن غنم: ابوعبیدہ بن جراح طاعون کی وبا میں مبتلا ہو گئے۔ تو عیاض بن غنم کو حمص کی ولایت پر مامور کر دیا۔ حضرت عمر اس پر راضی ہو گئے۔ مزید فتح کے بعد حمص اور فرات و قنسرین کے بھی حاکم بنا دئے گئے۔ [2]

سعید بن عامر: جب حضرت عیاض بن غنم کی اس دار فانی سے وصال کر گئے تو حمص کا والی نامزد ہوئے۔ مگر جلد ہی وصال ہو گیا۔

عمیر بن سعد: حمص اور ملحقہ علاقوں کی ولایت پر مامور تھے۔ [3]

اردن: شرحبیل بن حسنہ: حضرت عمر نے ان کو اردن کی ولایت دی۔ پھر بعد میں معزول کر دیا۔

معاویہ بن ابوسفیان: جب حضرت شرحبیل بن حسنہ کو معزول کیا گیا تو اس کے بعد حضرت معاویہ کو اردن کی ولایت پر مامور کیا گیا۔ اس کے بعد پورے شام کی ولایت دے دی گئی۔ [4]

عراق و فارس کے والیوں کی فہرست:

جب آپ عامل بناتے تو اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال لے لیتے تھے اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے موسم حج میں اعلان عام تھا جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فورا بارگاہ خلافت میں پیش کرے، چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔

اجنادِ عراق: ابوعبید بن مسعود ثقفی: حضرت ابوعبید بن مسعود ثقفی کو مثنی ابن حارثہ کی تعیناتی کے ختم ہونے کے بعد عراق کی ولایت پر مامور کیا گیا۔ انھوں نے جسر کی لڑائی میں شہادت پائی۔ [5]

سعد بن ابی وقاص: انھوں نے عراق میں اسلامی حکومت کی قیادت کی۔ قادسیہ کے معرکہ میں کامیابی حاصل کی۔ اس کی تنظیم سے بصرہ اور کوفہ کے صوبے وجود میں آئے۔ [6]

---

[1] الصلابي، علي محمد، فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب شخصيته وعصره، (الشارقة: مكتبة الصحابة 2002)، ص، 370-

[2] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين ص- 129، 130

[3] ابن حجر، الإصابة في تمييز الصحابة، 3/ 92

[4] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين، ص- 138

[5] الصلابي، فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب ص- 371: 377

[6] ایضا

معزولی کی وجہ یہ تھی کہ ان پر الزام لگایا گیا۔ جو تحقیق سے غلط ثابت ہوا۔ کچھ لوگوں نے ان کے خلاف ایک گروہ بنالیا تھا۔ جو ان کے بے حد مخالف ہو گیا تھا جس سے فتنے کا ڈر تھا۔ تو حضرت عمر نے ان کی جگہ حضرت سعد بن وقاص کی مستقل تعیناتی کے کا حکم صادر فرمادیا جن کو وہ خود اپنا قائم مقام بنا کر آئے تھے۔[1]

شریح بن عامر: بصرہ کے ملحقہ علاقے کے کی ولایت دی گئی۔[2]

عتبہ بن غزوان: بصرہ کی ولایت پر 14ھ میں مامور کیے گئے۔ 17ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہوئی.[3]

مغیرہ ابن شعبہ: جب حضرت عتبہ بن غزوان کا وصال ہوا تو اس کو منصب ولایت پر مامور کیا گیا۔

معزولی:

ان پر زنا کا الزام لگا۔ معزول کر دیا۔ تحقیق کی گئی تو تہمت غلط ثابت ہوئی۔ گواہوں نے جھوٹی گوائی دی۔ ان گواہوں پر حد جاری کی گئی۔ ان کو اور صوبوں کی ولایت پر مامور کیا گیا۔[4]

ابو موسیٰ اشعری: حضرت مغیرہ ابن شعبہ کی معزولی کے بعد بصرہ کی ولایت دی گئی۔[5]

کوفہ: سعد بن ابی وقاص: حضرت سعد نے 17ھ شہر کوفہ کو قائم کیا۔ اس لئے پہلی ولایت بھی ان ہی کو عطا کی۔

معزولی، بعض افراد نے ان کی مخالفت کی اور شکایت کا اظہار کیا۔ تو انھیں معزول کر دیا گیا۔[6]

عمار بن یاسر: حضرت عمار بن یاسر کو حضرت سعد بن وقاص کی معزولی کے بعد کوفہ کا والی مقرر کیا گیا۔

معزولی: بعض افراد نے ان کی مخالفت کی اور شکایت کا اظہار کیا۔ تو انھیں معزول کر دیا گیا۔[7]

پھر ان کو تحقیق کے لئے طلب کیا۔

معزولی کا سبب:

اس وقت بصرہ اور کوفہ کے ملحقہ علاقوں میں اختلاف ہوا کہ یہ کس میں شامل ہوں۔ حضرت عمار بن یاسر نے اس معاملے کو اہمیت نہ دی اور اس جھگڑے سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا اور غیر جانبدار رہے۔ تو اہل بصرہ نے بہت

---

[1] ایضا

[2] ابن اثیر، اسد الغابہ

[3] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص- 371: 377

[4] ایضا

[5] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص 371: 377

[6] ایضا

[7] ایضا

اصرار کیا تو رامہرمز، ایذج اور ماہ انھیں دے دیا گیا۔ اہل کوفہ اس پر بہت ناراض ہوئے اور بھرپور احتجاج کیا۔ اس غصے کی وجہ سے وہ حضرت عمار کے خلاف ہو گئے اور مرکز میں جا کر شکایات کیں۔ اور ان کی معزولی پر اصرار کیا۔ جب یہ سلسلہ حد سے بڑھ گیا تو امیر المومنین نے ان کو عہدے سے ہٹا دیا۔ جب تحقیق کی گئی تو جرم ثابت نہ ہوا۔ جب ان کو منصب ولایت سے ہٹا دیا گیا تو اس پر حضرت عمر نے ان سے رائے طلب کی۔ تو انھوں نے جواب دیا میرے لئے منصب ولایت کی کوئی اہمیت نہیں لھذا والی بنانا اور اتارنا میرے لئے کوئی اہمیت نہین رکھتے۔ نہ تو بننے کی خوشی تھی اور نہ ہی اتارنے کا غم ہے۔ [1]

مغیرہ ابن شعبہ: جب حضرت عمار بن یاسر کو معزول کی گیا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ کو کوفہ کی ولایت پر مامور کیا گیا۔ [2] جو کافی عرصہ وہاں رہے۔

موصل: ربعی بن افکل، حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرف سے 16ھ میں ولایت موصل پر مامور کیا گیا۔ [3]

اور ایک سال بعد ہی معزول ہو گئے۔

عبداللہ بن معتم عبسی 17ھ میں والی بنایا گیا۔ [4]

انھوں نے ہی موصل اور تکریت کو فتح کیا تھا، ان کے ساتھ عرفجہ بن ہرثمہ اور ربعی بن افکل بھی تھے، چنانچہ تکریت کو۔ فتح کیا اور ربعی بن افکل کو "نِینَوی" و "المَوْصل" بھیجا انھوں نے دونوں کو فتح کیا[5].

یہ اسی علاقے میں رہے۔

عرفجہ بن ہرثمہ بارقی: 22ھ میں والی بنایا گیا۔ [6]

اس طرح یہ حضرات یکے بعد دیگرے والی مقرر ہوئے۔

مدائن: حضرت سلمان فارسی: حضرت عمر کے بے حد اصرار پر والی بننے پر راضی ہوئے۔ لیکن پھر جلد ہی خط لکھ کر عہدے کی ذمہ داریوں سے خلاصی چاہی جو بلآخر منظور کر لی گئی۔ [7]

---

[1] (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 183/1

[2] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص 371: 377

[3] ابن حجر، الإصابۃ في تمییز الصحابۃ، ج-2/377

[4] ھاشم یحیی الملاح، موسوعۃ الموصل الحضاریۃ (عراق، دار الکتب جامعہ الموصل، 1992) 2 / 30

[5] ابن حجر، الإصابۃ في تمییز الصحابۃ، ج-2/377

[6] ایضا

[7] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص- 371: 377

حضرت حذیفہ بن یمان: کافی زمانے تک مدائن کی ولایت پر مامور رہے۔[1]

آذربائیجان: حضرت حذیفہ بن یمان: سب سے پہلے آذربائیجان کی ولایت حضرت حذیفہ بن یمان کے نصیب میں آئی۔ حضرت سلمان فارسی کی معذرت کے بعد مدائن کے والی بنادیے گئے۔[2]

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی : حضرت حذیفہ بن یمان جب مدائن بھیج دیے گئے تو آذربائیجان کی ولایت ان کے سپرد کی گئی۔ پھر تمام عہد خلافت عمر تک اس منصب پر فائض رہے۔[3]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے والیوں کی فہرست:

آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال وحکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کرکے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی، اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائیں طلب کی جاتی تھیں، کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ وفساد کی ابتدا ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں کبھی کبھی دارالخلافہ میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے

مکہ میں علی بن عدی بن ربیعہ: ان کو والی مقرر کی گیا۔[4]

عبداللہ بن عمرو حضرمی: ان کو والی مقرر کیا گیا۔[5]

خالد بن العاص: حضرت عثمان کے عہد کے آخر میں ایک دفع پھر مکہ کی ولایت پر مامور کیا گیا۔[6]

---

[1] ایضا

[2] ایضا

[3] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص371: 377

[4] الذہبی، محمد بن احمد، تجرید أسماء الصحابۃ، 1/ 393

[5] ایضا 325/1

[6] العمري، الولایۃ علی البلدان في عھد الخلفاء الراشدین ص226

بحرین اور یمامہ: عثمان بن ابی العاص : حضرت عثمان بن عفان نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ قائم رکھا۔اور تین سال تک برقرار رہے۔[1]

مروان بن حکم: حضرت مروان بن حکم کو حضرت عثمان بن ابی العاص کے بعد بحرین کا والی بنادیا گیا۔[2] وہ خلیفہ کے کاتب اور صاحب خاتم بھی تھے۔[3]

عبداللہ بن سوار عبدی: بحرین کے عامل تھے،اور حضرت عثمان غنی کی شہادت تک اس عہدے پر قائم رہے۔[4]

یمن (صنعاء): یعلی بن امیہ : صنعاء کی ولایت پر حضرت عثمان غنی کی شہادت تک قائم رہے۔ [5]

یمن (الجند): عبداللہ بن ابی ربیعہ :الجند کی ولایت پر حضرت عثمان غنی کی شہادت تک قائم رہے۔[6]

بلادِ شام: معاویہ بن ابوسفیان: تمام بلادِ شام کی ولایت پر حضرت عثمان غنی کی شہادت تک قائم رہے۔[7]

مصر میں بھی آپ نے مختلف عمال مقرر کئے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملکی نظم ونسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کو بعینہ باقی رکھا اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے،ان کو منضبط کرکے ترقی دی، یہ اسی نظم ونسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر کا خراج 20 لاکھ دینار تھا؛ لیکن عہد عثمانی میں اس کی مقدار 40 لاکھ تک پہنچ گئی۔

عبداللہ ابن سعد: فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا، عمر بن خطاب کے زمانے صعید کے والی تھے، پھر عثمان بن عفان نے انھیں پورے مصر کا والی بنادیا،افریقا پر اسلامی محاذ میں شریک تھے، پھر جنگ مستول میں بھی شریک رہے.[8]

ان کی خدمات اور صلاحیت کی وجہ سے عہدہ دیا۔

بصرہ: ابو موسیٰ اشعری: 29ھ تک بصرہ کے والی رہے، پھر اپنے عہدے سے ہٹادئے گئے۔[9]

---

[1] الصلابی، علی محمد، تیسیر الکریم المنان في سیرۃ عثمان بن عفان رضي اللہ عنہ - شخصیتہ وعصرہ،(مصر: دار التوزیع والنشر الاسلامیہ،2002) ص- 238

[2] ایضاص- 239

[3] الذھبي، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء، 3 / 477

[4] الصلابی،، تیسیر الکریم المنان في سیرۃ عثمان بن عفان رضي اللہ عنہ - شخصیتہ وعصرہ, ص 238

[5] ایضا

[6] ایضا

[7] ایضاص- 240

[8] الذھبي، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء-3 /33: 35

[9] الصلابی،، تیسیر الکریم المنان في سیرۃ عثمان بن عفان رضي اللہ عنہ - شخصیتہ وعصرہ, ص- 243: 246

عبداللہ بن عامر بن کریز: جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کے بعد بصرہ کی ولایت پر مامور کیے گئے۔[1]

کوفہ: سعد بن ابی وقاص: حضرت مغیرہ ابن شعبہ کو حضرت عثمان غنی نے کوفہ کی ولایت سے ہٹادیا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو اس کی ولایت پر مامور کر دیا۔[2]

ولید بن عقبہ: حضرت عثمان غنی کی شہادت تک کوفہ کی ولایت پر مامور رہے۔ پھر استعفیٰ دے دیا۔[3]

سعید بن العاص: حضرت ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان غنی نے کوفہ کی ولایت سے ہٹادیا۔ اور حضرت سعید بن العاص کو اس کی ولایت پر مامور کر دیا۔[4]

کوفہ کے لوگوں نے شکایت کی تو حضرت عثمانؓ نے ولایت سے ہٹادیا۔

خلیفہ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے، بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا؛ لیکن ملکی معاملات میں انھوں نے تشدد احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے، حضرت عثمانؓ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔

ابو موسیٰ اشعری: حضرت سعید بن العاص کو حضرت عثمان غنی نے کوفہ کی ولایت سے ہٹادیا۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اس کی ولایت پر مامور کر دیا۔[5]

موصل: عرفجہ بن ہرثمہ بارقی: 34ھ تک موصل کی ولایت پر مامور رہے۔[6]

آرمینیا: حبیب بن مسلمہ فہری: حضرت حبیب بن مسلمہ فہری آرمینیا کے والی مقرر ہوے،[7]

لیکن جلد ہی ان کو تبدیل کر دیا۔

سلمان بن ربیعہ باہلی :آرمینیا کا والی مقرر کئے گئے[8]

---

[1] الذهبي، محمد بن احمد، سير أعلام النبلاء - 3/ 18: 21

[2] الصلابي،، تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان رضي الله عنه - شخصيته وعصره, ص- 246".

[3] الذهبي، محمد بن احمد، سير أعلام النبلاء 3/ 414: 416

[4] ایضا3/ 445: 449

[5] " الصلابي،، تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان رضي الله عنه - شخصيته وعصره, ص- 249".

[6] هاشم يحيى الملاح، موسوعة الموصل الحضارية- 2 /30

[7] الصلابي،، تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان رضي الله عنه - شخصيته وعصره, ص- 241".

[8] ایضا

حذیفہ بن یمان : عثمان غنی نے انھیں آرمینیا کا حبیب بن مسلمہ فہری کو جزیرہ فرات بھیجنے کے بعد والی بنایا تھا۔ تقریباً ایک سال تک والی رہے پھر معزول کر دیا. [1]

مغیرہ ابن شعبہ: حضرت حذیفہ بن یمان کو حضرت عثمان غنی نے کوفہ کی ولایت سے ہٹا دیا۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اس کی ولایت پر مامور کر دیا۔ مغیرہ ابن شعبہ، حذیفہ بن یمان کے بعد آرمینیا کے والی بنے اور عثمان غنی کی وفات تک وہاں کے والی رہے.

اصفہان۔ خالد بن غلاب : حضرت عثمان غنی کی شہادت تک اصفہان کی ولایت پر مامور رہے۔

حضرت علی بن ابی طالب کے والیوں کی فہرست:

ابتدا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اختلاف اور تنازع کی زد میں پایا اور وہ اسلام کو ان تمام برائیوں سے پاک کرنے کے لئے اقدامات کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد تمام لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ کسی بغاوت کو برداشت نہیں کریں گے اور تخریبی سرگرمیوں میں ملوث تمام افراد کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔ انھوں نے لوگوں کو سچے مسلمان کی طرح برتاؤ کرنے کا مشورہ دیا۔

مکہ: ابو قتادہ انصاری: حضرت علی نے 35ھ میں انھیں مکہ کی ولایت پر مامور کیا۔ پھر حضرت علی کے ساتھ لشکر میں چلے گئے۔ [2]

قثم بن عباس: حضرت علی نے 36ھ میں انھیں مکہ اور طائف کی ولایت پر مامور کیا۔ [3]

مدینہ: سہل بن حنیف : حضرت علی نے 37ھ میں انھیں مدینہ کی ولایت پر مامور کیا۔ پھر حضرت علی کے حکم پر کوفہ چلے گئے۔ [4]

تمام بن عباس: حضرت سہل بن حنیف کے بعد ولایت پر مامور کئے گئے۔ مگر انھیں بھی منصب سے ہٹا دیا گیا۔ اس میں ان کی حکمت عملی تھی۔

---

[1] " الصلابی،، تیسیر الکریم المنان في سیرۃ عثمان بن عفان رضي اللہ عنہ - شخصیتہ وعصرہ ص- 241".

[2] الذهبي، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء،- 449/2: 456

[3] ایضا

[4] الذهبی، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلا، الصحابۃ رضوان اللہ علیہم، ج- 2، ص- 325، 326

ابوایوب انصاری: پھر ابوایوب انصاری کو منصب ولایت دی گئی۔40ھ میں حضرت معاویہ کا نے لشکر بھیجا تو آپ کوفہ روانہ ہو گئے۔[1]

بحرین وعمان: عمر بن ابی سلمہ: انھیں بحرین کی ولایت دی گئی۔ پھر ان کو اس منصب سے معزول کر کے عراق منتقل کیا گیا۔[2]

نعمان بن عجلان انصاری: بحرین کی ولایت پر مامور کیا گیا۔

عبید اللہ بن عباس: بحرین اور یمن کا والی بنیا۔[3]

عبید اللہ بن عباس: یمن، صنعاء کی ولایت پر مامور کیا گیا۔[4]

یمن (الجند): سعید بن سعد: یمن (الجند) ولایت پر مامور کیا گیا ۔[5]

جزیرہ: اس میں مختلف لوگوں کو منصب دیا۔

مالک اشتر: یمن (الجند) ولایت پر مامور کیا گیا۔38ھ میں معزول کر کے مصر کی ولایت پر مامور کیا گیا۔[6]

حضرت عثمان غنی نے سعید بن عاص کو کوفہ کا والی بنایا تھا۔ایک گروہ ان کے خلاف تھا۔جب وہ مدینہ گئے تو انھوں نے مالک اشتر کو ولایت پر قبضہ کرا دیا۔اور خلیفہ سے مطالبہ کیا کہ سعید بن عاص کو معزول کیا جائے اس مطالبے کو خلیفہ نے مان لیا۔[7]

مصر: مالک بن الحارث اشتر خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے سپہ سالار اور جانباز سپاہی تھے۔ حضرت علیؓ نے انہیں دستور حکومت کی تعلیم دی، قوانین اسلام پر عمل کا سبق پڑھایا۔ یہ نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ اس میں اصل سیاست ذکر کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے قیس کو ولایت دی۔

قیس بن سعد: محمد بن ابی حذیفہ کی وفات کے بعد حضرت علی نے مصر کی ولایت پر نامزد کیا۔[8]

---

[1] الصلابی، علی محمد، أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه، (الامارات، الشارقہ: مکتبہ الصحابہ، 2004) ص430

[2] ایضاص431

[3] ایضا

[4] ایضاص 432

[5] ایضا

[6] الصلابی، علی محمد، أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه، 436،

[7] البلاذری، انساب الاشراف، 5/ 535-536

[8] الصلابی، علی محمد، أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ص 437،

مالک اشتر: 38ھ میں مصر کی ولایت پر نامزد کئے گئے مگر مصر پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔[1]

حضرت علی نے جب مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنایا تو ایک بہترین دستور دیا انتہائی اختصار و بلاغت سے حکمرانی اور سیاست کے جو اصول اس تحریر میں جمع کر دیئے ہیں، آج بھی ان سے متمدن حکمران بے نیاز نہیں ہو سکتے۔۔یہ مکتوب نہ صرف پاکستانی حکام کے لئے مشعل راہ ہے، بلکہ عوام کو بھی روشنی فراہم کرتا ہے۔ انہیں حاکموں کے مواخذے کا طریقہ سکھاتا اور امور سلطنت سرانجام دینے کے لئے نمائندے منتخب کرنے کے طریق کار سے آشنا کرتا ہے۔عالم اسلام کے حکمران اگر اس خط کو نشان راہ بنالیں تو ان کی تمام مشکلات ختم ہو سکتی ہیں

محمد بن ابی بکر: مالک اشتر کی وفات کے بعد مصر کی ولایت پر نامزد کیا گیا۔مالک مرنے کے بعد مصر کا والی بنایا، [2]

اس کے بعد مصر پر حضرت معاویہ نے حملہ کیا ان کو قتل کیا گیا اور مصر حضرت معاویہ کے قبضہ میں چلا گیا۔[3]

بصرہ: عثمان بن حنیف: حضرت علی نے بصرہ کی ولایت پر نامزد کیا۔اس جگہ عثمان غنی کے خون بھا کے مطالبے کے لئے لوگوں کو جمع کیا۔اس طرح ان کی ولایت کا خاتمہ ہو گیا۔[4]

عبداللہ بن عباس: اس احتجاج کے ختم کرنے پر حضرت علی نے عبداللہ، بصرہ کا گونر نامزد کر دیا۔[5]

ابوالاسود الدؤلی: حضرت علی نے ابوالاسود الدؤلی کو بصرہ کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔

کوفہ: قرظہ بن کعب انصاری: حضرت ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر دیا گیا۔وہ دونون کی صلح کے خواہش مند تھے۔اس لیے قرظہ بن کعب انصاری کو بصرہ کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔ پھر اس کو کو دارالخلافہ کا درجہ دے دیا گیا۔[6]

موصل: مالک اشتر: حضرت علی نے ان کو موصل اور جزیرہ کی ولایت کے لئے نامزد کیا

فارس: سہل بن حنیف :حضرت علی نے 36ھ میں ان کو فارس کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔ مگر بغاوت ہوئی اور وہ 37ھ میں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیئے گئے۔[7]

---

[1] ایضا ص 437

[2] ایضاص 443

[3] ابن كثير، اسماعيل بن عمر، البداية والنهاية. (بيروت-لبنان: دار الفكر. 1986). 7/ 14.

[4] الصلابي، علي محمد، أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ص، 450

[5] ایضا

[6] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين، ص337: 341

[7] الصلابي، علي محمد، أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ص459،

زیاد بن ابی سفیان: حضرت علی نے زیاد بن ابی سفیان کو لشکر کے ساتھ اس بغاوت کو کچلنے کے لئے روانہ کیا۔اس میں کامیابی کے بعد فارس کی ولایت کے لئے نامزد کیا گیا۔ حضرت علی کی شہادت تک اس منصب پر مامور رہے۔[1]

خراسان:

عبدالرحمن بن اَبزی: حضرت علی نے ان کو خراسان کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔[2]

جعدہ بن ہبیرہ مخزومی: حضرت علی نے ان کو خراسان کی ولایت کے لئے نامزد کیا. ان کو سیستان کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔ مگر ایک حسکہ ڈاکو نے قتل کر دیا۔

ربعی بن کاس : حضرت علی نے ان کو لشکر، ساتھ اس بغاوت کو کچلنے کے لئے روانہ کیا۔

آذر بائیجان: اشعث بن قیس : حضرت علی نے ان کو آذر بائیجان اور آرمینیا کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔

سعید بن ساریہ خزاعی: حضرت علی نے ان کو آذر بائیجان کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔

قیس بن سعد: حضرت علی نے ان کو آذر بائیجان کی ولایت کے لئے نامزد کیا۔[3]

اسلامی ریاست میں حکومت کی پرامن تبدیلی کے استنباط کی صورتیں

اب ہم عہد خلافت راشدہ میں ہونے والے کچھ فیصلوں اور واقعات سے حکومت کی پرامن تبدیل کا استنباط پیش کرتے ہیں، جن میں گورنروں کی تبدیلی، واقعہ تحکیم، صلح امام حسن و امیر معاویہ رضی اللہ عنھما اور خطباتِ خلفاء راشدین شامل ہیں۔

عمال اور گورنروں کی تبدیلی و معزولی :

خلفاء راشدین نے مختلف اوقات میں گورنروں کو تبدیل کیا جس سے نااہل حکومتی عہدار کو معزول کتنا ثابت ہوتا ہے تو نااہل حکومت کو بدرجہ اولی تبدیل کیا جائے گا۔

عہد صدیقی :

سب سے پہلے عہد صدیقی میں معزول ہونے والے گورنروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] العمري، الولاية على البلدان في عهد الخلفاء الراشدين، ص342، 343

[2] الذهبی، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء، 202/3

[3] ابن كثير، اسماعيل بن عمر، البداية والنهاية. (بيروت-لبنان: دار الفكر. 1986). 8/ 14.

خالد بن سعید کی معزولی: خلیفہ اول نے انھیں امیر لشکر بنایا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ روانہ ہوں ان کو ہٹا کر یزید بن سفیان کو امیر لشکر بنادیا ،شام کو روانہ ہونے والے امراء میں یزید سب سے پہلے امیر ہیں، یہ لوگ سات ہزار مجاہدین کو لے کر شام گئے تھے۔

معزولی کی وجہ: حضرت ابو بکر کی بیعت میں تاخیر کی تقریباً دو مہینے،ان کی خلافت پر اعتراض کرتے، حضرت عمر ان کی باتوں اور دیباج کا لباس پہننے کی وجہ سے ان کو امیر نامزد کرنے کے مخالف تھے، پھر حضرت ابو بکر نے انھیں تیما کے لشکر کا امیر بنادیا ۔اس معزولی اور پھر دوسری جگہ تقرری سے اسلامی ریاست میں حکومت کی تبدیلی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

عہد فاروقی

حضرت خالد بن ولید کی معزولی: حضرت خالد نے غلط فہمی میں بنو حزیمہ، بعض افراد کا مار دیا ۔تو نبی اللہ نے ان کے خاندان کو دیت دی۔اور ان کے اس فعل سے لا تعلقی کا اظہار کیا۔ مگر اس فعل کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا۔ مگر خلیفہ ثانی نے ان کو عہدے سے ہٹادیا۔

معزولی کا سبب: جب روم کی مہم جوئی سے واپس آئے تو کثیر مال و دولت لے کر آئے۔ان پر اعتراض کی گیا کہ اشعث کو 10 ہزار درہم دیئے ہیں جو کہ ناانصافی ہے۔

دوسری وجہ ان کے ہاتھوں مسلسل فتوحات ہو رہی تھیں تو اس عقیدے کو باور کروانے کے لئے کہ یہ اللہ کی قدرت سے ہیں نہ کہ ان کی وجہ سے۔

سیف بن عمر عبداللہ سے ہے، جناب عمر فاروق نے مختلف شہر والوں کی طرف لکھا معزولی کی وجہ ناراض ہونا ،خیانت نہیں لوگ اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑ رہے تھے میں نے چاہا کہ لوگ جان لیں کہ صرف اللہ ہی فتح دینے والا ہے[1]

حضرت عمر کا حضرت خالد کو معزول کرنے سے اسلامی ریاست میں حکومت کی تبدیلی کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔

عمار بن یاسر: ان کو سعد کی معزولی کے بعد کوفہ کا والی مقرر کیا گیا۔

معزولی : بعض افراد نے ان کی مخالفت کی اور شکایت کا اظہار کیا۔ تو انھیں معزول کر دیا گیا۔[2]

معزولی کا سبب: اس وقت بصرہ اور کوفہ کے ملحقہ علاقوں میں اختلاف ہوا کہ یہ کس میں شامل ہوں۔ حضرت عمار بن یاسر کو معاملے سے دلچسپی نہ تھی، جھگڑے سے لا تعلقی کا اظہار فرمایا اور غیر جانبدار رہے۔ تو اہل بصرہ نے بہت اصرار

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، 85/4

[2] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص371: 377

کیا تو رامہر مز، ایذج اور ماہ انھیں دے دیا گیا۔ اہل کوفہ اس پر بہت ناراض ہوئے اور بھرپور احتجاج کیا۔ اس غصے کی وجہ سے وہ حضرت عمار کے خلاف ہو گئے اور مرکز میں جا کر شکایات کیں۔ اور ان کی معزولی پر اصرار کیا۔ جب یہ سلسلہ حد سے بڑھ گیا تو امیر المومنین نے ان کو عہدے سے ہٹا دیا۔[1]

جب ان کو منصب ولایت سے ہٹانے پر حضرت عمر نے ان سے رائے طلب کی۔ ان کے نزدیک منصب ولایت کی کوئی اہمیت نہیں تھی لھذا والی بنانا اور اتارنا ان کے لئے کوئی اہمیت نہین رکھتا تھا۔ نہ تو انھیں والی بننے کی خوشی تھی اور نہ ہی اتارنے کا غم ہے۔[2]

مغیرہ ابن شعبہ: جب حضرت عمار بن یاسر کو معزول کیا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ کو کوفہ کی ولایت پر مامور کیا گیا۔[3] عہد عثمانی **حضرت مغیرہ ابن شعبہ کی کوفہ کی ولایت سے معزولی** : حضرت مغیرہ ابن شعبہ کو حضرت عثمان غنی نے کوفہ کی ولایت لے لی۔ اور جناب سعد کو اس کی ولایت پر مامور کر دیا۔ معزولی کی وجہ: یہ حضرت عمر کی وصیت پر عمل کیا۔[4]

حضرت سعد بن ابی وقاص کی معزولی : ان کو حضرت خلیفہ نے کوفہ کی ولایت سے ہٹا دیا۔ اور حضرت ولید بن عقبہ کو اس کی ولایت پر مامور کر دیا۔

معزولی کی وجہ: انھوں نے عبد اللہ بن مسعود سے قرض لیا۔ اس کے بار بار مطالبہ کیا گیا جب کہ دوسری طرف سے تاخیری حربے کئے گئے۔ اس طرح دونوں میں لڑائی کی نوبت آگئی اور دو گروہ مقابلے پر آ گئے، فتنہ بڑھ گیا، یہ خبر حضرت عثمان غنی کو پہنچی تو انھیں معزول کر دیا۔

---

[1] الطبری، تاریخ :676/2)

[2] ابن سعد. طبقات، 1833/

[3] الصلابی، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب ص371 ص371: 377

[4] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ 453/2

جناب عمرو بن العاص کی معزولی:

جب جناب عبداللہ نے خلیفہ چہارم کو خط لکھ کر بتایا کہ عمرو نے خراج میں کمی کی تو خلیفہ نے معزول کر دیا۔[1].

حضرت اُبو موسی اشعری کی کوفہ کی ولایت سے معزولی [2]

حضرت ولید بن عقبہ کی کوفہ کی ولایت سے معزولی :

معزولی کا سبب شرب خمر تھا۔[3]

حضرت عثمان کا محاصرہ کرنے والوں کا گورنروں کی تبدیلی کا مطالبے :

مصر کے کی ایک جماعت نے سازش کی اور مدینہ منورہ کے قریب آکر قیام کیا۔ان کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمان غنی ان کے کہنے پر گورنروں کو معزول کر دیں اگر ایسا نہیں کرتے تو خلافت سے مستعفی ہو جائیں ورنہ ہم ان کو قتل کریں گیں، شدت کی، منظوری بغیر واپس نہ جانے پر زور دیا۔ حضرت عثمان غنی انھیں لوگوں سے مذاکرات کی اجازت دی۔ حضرت علی ان کے کہنے پر دو دفع ان کے پاس گئے،ان کے ساتھ تقریبا تیس کبار صحابہ بھی تھے۔ان کے درمیان تین دن کی مدت طے ہو گئی۔اس میں مطلوبہ گورنروں کو معزول کر دیا جائے گا۔اس شہر والوں کو ایک دن کی مہلت دی گئی۔ پہلی دفع مقرر مدت میں شرائط پر عمل نہ ہو سکا۔ تو حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی کے پاس آئے اور وعدے کو وفا کرنے کا یقین دلوایا۔ حضرت علی ایک دفع پھر ان کے پاس گئے،انہیں واپس جانے کا کہا اور ان کے جائز حقوق دلوانے کی یقین دہانی کروائی۔[4]

الغرض 30 کبار اصحاب جن میں جناب علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ شامل ہوئے کے اجماع سے یہ ثابت ہوا کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان اسباب کی وجہ سے معزول نہیں کیا جا سکتا جبکہ باقی گورنروں کی تبدیلی کا مطالبہ درست ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ پر گورنروں کو تبدیل کر دیا گیا۔جو کہ صوبائی حکومت کے سربراہ تھے۔لوگوں کے پر زور مطالبے اور اصرار پر حکومت کی تبدیلی کی گئی۔اس مشاورت سے پر امن طور پر حکومت کو تبدیل کرنے کا طریقہ کار متعین کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گورنر صرف ایک افسر اور ملازم کی حیثیت رکھتے تھے جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کافی اختیار حاصل کر چکے تھے۔

---

[1] ایضا462/2

[2] ایضا473/2

[3] ایضا479/2

[4] ابن اثیر،الکامل.539/2

عہد حضرت علی رضی اللہ عنہ:

39ھ سال کا آغاز ہوا تو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب امر خلافت سنبھال چکے تھے مختلف شہروں پر آپ نے اپنے عاملین کا تقرر کیا، پس یمن پر عبداللہ بن عباس، بصرہ پر سمرہ بن جندب، کوفہ پر عمارہ بن شہاب، مصر پر قیس بن سعد بن عبادہ، اور شام پر حضرت معاویہ کی جگہ سہل بن حنیف کو امیر مقرر کیا، سہل بن حنیف شام کی طرف روانہ ہوئے، جب تبوک پہنچے تو حضرت معاویہ کے کچھ سوار آپ سے ملے، انھوں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ سہل بن حنیف کہا کہ امیر ہوں، انھوں نے پوچھا کہ کس چیز پر امیر ہیں؟ جواب دیا شام۔ انھوں نے کہا کہ عثمان بن عفان نے روانہ تو آپ کو سلام، خوش آمدید۔ ورنہ واپس چلے جایئے سہل بن حنیف نے کہا کہ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں معلوم ہے۔ پس سہل بن حنیف لوٹ کر حضرت علی کے پاس آگئے، اور قیس بن سعد کی بابت اہلیان مصر مختلف، اکثر ان کی بیعت کر لی.

لیکن ایک جماعت عثمان کے قصاص پر زور دیا، بیعت نہ کریں گے، یہی حال اہل بصرہ کا رہا، عمارہ بن شہاب جنھیں کو نہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا، انھیں طلحہ بن خویلد نے حضرت عثمان کی شہادت پر غصہ کی وجہ سے کوفہ جانے سے روک دیا، پس وہ بھی واپس لوٹ آئے اور حضرت علی کو خبر دی، فتنہ پھیل گیا، حالات خراب ہو گئے اور امت میں اختلاف پیدا ہو گیا، اور ابو موسیٰ نے بھی حضرت علی کو خط میں کہا بہت قلیل ہیں، حضرت علی نے شام میں حضرت معاویہ کو بہت سے خطوط لکھے لیکن کوئی جواب نہ آیا، ماہ صفر تک ان خطوط کا سلسلہ چلتا رہا، پھر حضرت معاویہ نے ایک آدمی کے ساتھ جوابی خط بھیجا، جب وہ آدمی حضرت علی نے پوچھا کہ تم اپنے پیچھے کیا صورتحال چھوڑی ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایسی قوم، جو قصاص کے سواء کچھ نہیں چاہتے، سب کا یہی مطالبہ ہے، اور عثمان بن عفان کی قمیص دمشق کے منبر پر رکھی ہے، میں نے ستر ہزار شیوخ کو اس کے پاس روتے ہوئے چھوڑا ہے۔

جنگ صفین میں واقعہ تحکیم :

جنگ صفین حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان لڑی گئی جنگوں میں سے ایک ہے جو 37ھ کو صفر کے مہینے میں صفین کے مقام پر لڑی گئی۔ آخر کار فریقین نے حکمیت کے ذریعے اختلافات کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا عمار یاسر اور خزیمہ بن ثابت اسی جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین صلح نامہ تحریر کیا گیا۔ جس میں جناب ابو موسیٰ اور جناب عمرو بن عاص کو کتاب اللہ کے احکامات کی روشنی میں فیصلے کا اختیار دیا گیا۔ وہ دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ اور عوام کو نئے سرے سے امیر المومنین کے انتخاب کی مشاورت فراہم کی جائے۔ اس سے پتہ چلا کہ حکومت کو کسی وقت بھی معزول کیا جا سکتا ہے۔ اور عوام کو اپنا حکمران اہل حل و عقد کی مشاورت انتخاب کا حق دیا جا سکتا ہے۔

جناب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا اعلان

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا اے لوگو! ہم نے بہت کچھ غور وخوض کیا ہے لیکن اس کے علاوہ کہ جس پر ہم نے اتفاق کیا ہے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ میں اور عمرو بن العاص دونوں علی اور معاویہ کی معزولیت کر دیں، تمام عوام کو موقع دیں جس کو چاہیں متفق ہو کر خلیفہ بنالیں۔ چنانچہ میں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ کو معزول کر دیا۔ پس تم جس کو لائق سمجھو اس کو خلیفہ بنادو۔

حضرت عمرو بن العاص کا حضرت معاویہ کو معزول نہ کرنے کا اعلان

ان کے تقریر کے ختم ہوتے ہی عمرو بن عاص نے کہا حاضرین جلسہ تم لوگ گواہ رہنا اس شخص نے اپنے رفیق (علی) کی عہدے سے معزولیت کر دی ہے اور بیشک میں بھی عزل علی کا حکم دیا۔ اور حضرت معاویہ کو معزول نہیں کرتا اور اسی کو امیر المومنین تسلیم کرتا ہوں[1]۔

الغرض جلیل القدر صحابہ علیہم الرضوان کا اس حکم پر متفق ہو جانا اسلامی ریاست میں پرامن طریقہ سے حکومت کی تبدیل کے ممکن ہونے کی بین دلیل ہے۔ اس سے اتفاق رائے سے حکومت کو تبدیل کر کے اس کی جگہ اسلامی شورائی نظام کے مطابق نئ حکومت تشکیل دینے کی طرف راہنمائی ملتی ہے۔

حضرت حسن اور حضرت معاویہ کی صلح :

حکومت کی تبدیلی پرامن طریقہ سے اسلام ریاست میں ممکن ہے۔ اس پر وہ صلح بھی دلیل ہے جو حضرت حسن نے کی اور اس پر حدیث نبوی کا حوالہ بھی پیش ہوا۔ یہ صلح حضرت معاویہ سے ہوئی۔ احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتب میں اسے تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہاں عنوان کی مناسبت سے اہم چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن نے یہ حدیث بیان کی۔

((إنَّ ابْنِي هَذَا سَيِدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ))[2]

(بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اور اللہ دو بڑے گرہوں میں اس کی وجہ صلح کرائے گا۔)

---

[1] ابن خلدون ،تاریخ 333/3

[2] البخاري، الجامع الصحیح، کتاب الصُّلح ،باب قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ 2704

حضرت حسن نے جب معاملات کو کنٹرول سے باہر دیکھا تو تین شرطوں پر صلح کی وہ رقم جو بیت المال (کوفہ) میں موجود ہے کا مطالبہ کیا، خراج (دارابجرد) اور حضرت علی کے لئے توہین والے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ [1]

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی منافقت کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں خلافت و حکومت سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ وہ سب کچھ مجھے دے دیں جو کوفہ کے بیت المال میں ہے۔ (اس وقت بیت المال میں پانچ لاکھ دینار موجود تھے) اور دار بجرد فارس کے حضرات کا خراج مجھے معاف کر دیں اور میرے والد بزرگ کو میرے سامنے سخت وناپسندیدہ کلمات سے یاد نہ کریں۔ خط روانہ کرنے کے بعد اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر سے اس کا تذکرہ کیا لوگوں نے سمجھایا لیکن وہ اپنی رائے پر قائم رہے.

الغرض حضرت حسن کی حکومت پر بیعت منعقد ہونے کے بعد آپ کی خلافت ثابت ہو چکی تھی۔ یہ بھی متفق علیہ امر ہے کہ خلفاراشدین کی مدت خلافت 30 سا میں میں جناب حسن رضی اللہ عنہ کے 6 ماہ بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد صلح ہونا اس امر پر واضح دلیل ہے کہ اسلامی ریاست میں حکومت کی پرامن طریقہ کار سے تبدیلی ممکن ہے۔ اور باہم معاہدے، صلح اور رضامندی سے ایک حکومت کو معزول کر کے دوسری کو قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شوریٰ کے فیصلے کے مطابق عمل کیا جائے۔

خلفاءراشدین کے خطبات :

خلفاء راشدین کے خطبات ہمارے لئے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ خاص طور پر اسلامی ریاست کے سیاسی اصولوں کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان خطبات کا مختصر اور موضوع کے مطابق ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ خلافت

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مسلم ریاست کے پہلے حکمران ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے وزیر ہیں، اور ان کے ساتھ رہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے پہلے خطبہ میں جو کہا وہ اسلامی سیاست کے بنیادی اصول و قواعد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور آپ نے پہلا خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا:

"اَیُّها النَّاس قَدْ وَلِّیت عَلَیکُم و لَست بِخیرِکُم فَاِنْ اَحسنْت فَاَعِینُونِی و اِنْ اَسَاْت فَقَوِّمُونِی اَلصِّدْقُ اَمانَةٌ والْکِذْب خِیانَةٌ والضَّعِیف فِیکُم قَوِیٌّ عِنْدِی حتّی اَخذَلَه حقَّه

[1] ابن الأثير، علي بن احمد، الكامل في التاريخ، ص 6

والْقَوىُّ ضَعِيف عِنْدِى حتّٰى اَخذَمِنْه الْحقُّ اِنْ شَاء الله تَعالٰى لَا يدَع احدٌ مِنْكُم الْجِهاد فَاِنَّه لَا يدَعه قَوم اِلّاضربهم الله بالذِّي- اَطِيعونِي ما اَطَعت الله ورسولَه فَاِذَا عصيت الله ورسولَه ولَاطَاعةَ لِي علَيكُم -"[1]

(لوگو! میں تمہاراامیر بنادیا گیاہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھاکام کروں توتم میری مدد کرو۔اگر براکام کروں تو مجھ کو سیدھا کردو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کردوں گااور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے چنانچہ میں اس سے حق لوں گا۔جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت کو مسلط کردیتاہے ،جب تک میں اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کروں تومیری اطاعت کرو۔اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں توتم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔)

یہ خطبہ اپنے اختصار وایجاز کے باوجوداہم ترین اسلامی خطبوں میں سے ہے۔سیدناابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکومت سے مسلمانوں نے بہت ہی کم مدت استفادہ کیا۔آپ نے اس خطبے کے ذریعے سے ماضی وحاضر میں پائے جانے والے نظام ہائے حکومت کے معیار پر اختیارات کی حدبندی کی۔آپ کی حکومت شورائی حکومت تھی۔جس کی قیادت آنحضرت ﷺ کے غار کے ساتھی، نجابت وشرافت، ذکاوت وعلم اور ایمان کے عظیم پیکر سیدناصدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

فاروق اعظم رضی اللہ کے خطبات

تاریخ طبری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبات بیان کئے گئے۔جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"قَالَ يا أَيُّها النَّاس إِنِّي قَدْ ولِّيت علَيكُم ولَولَا رجاء أَنْ أَكُونَ خيركُم لَكُم وأَقْواكُم علَيكُم وأَشدَّكُم اِسيضْلَاعا بِما ينوب مِن مهِم أُموكُم ما تَولَّيت ذٰلِك مِنْكُم - فَربِّى الْمستَعان فَإِنَّ عمر أَصبح لَا يثِق بقُوَّة ولَا حِيلَةَ إِنْ لَم يتداركه الله عزَّ وجلَّ برحمِيه وعونِه وتَأْيِيده ولَن يغَير الَّذي ولِّيت مِن خِلَافتِكُم مِن خلُقِي شيئا إِنْ شَاء الله إِنَّما الْعظَمةَ للّٰه عزَّ وجلَّ ولَيس لِلْعِبَاد مِنْها شيئ فَلَا يقُولُونَ أَحدٌ مِنْكُم إِنَّ عمر تَغَيَّر منْذُ ولّي -أَعتقِل الْحقَّ مِن نَفْسِي وأَتَقَدَّم وأُبين لَكُم أَمرِي فَأَيُّما رجل كَانَت لَه حاجةٌ أَو ظلِم مظْلَمةَ أَو

[1] ابن کثیر،البدایۃ والنھایۃ،5/ 248

عَيب عَلَينَا في خلُق فَلْيؤْذني فَإِنَّما أَنَا رجل مِنْكُم فَعلَيكُم بِتَقْوى الله في سِرِّكُم وعلانِيَّتِكُم وحرماتِكُم وأَعراضِكُم وأَنَا مسؤولٌ عن أَمانتي وما أَنَا فيه ومطّلع على ما بحضرتي بنفْسي إنْ شَاء الله لَا أَكِلُه إلى أَحد ولَا أَستطيع ما بعد منْه إلّا بالْامناء وأَهل النُّصحِ منكُم للْعامَّة ولَست أَجعل أَمانَتي إلى أَحد سواهم إنْ شَاء الله - إنّي لَوددت أَنْ أَنجو كفَافًا لَا لي ولَا علَيَّ وانّي لَأَرجو إنْ عمرت فيكُم يسيرا أَو كَثيرا أَنْ أَعمل بالْحقّ فيكُم إنْ شَاء الله وأَلّا يبقى أَحدٌ من الْمسلمين وإنْ كَانَ في بيته إلا أَتَاه حقَّه ونَصيبه من مال الله ولَا يعمل إلَيه نَفْسه ولَم ينْصب إلَيه يوما-"[1]

(اے لوگو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں۔ اگر یہ توقع نہ ہوتی کہ میں تمہارے لیے بہترین اور سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوں گا اور میں تمہارے اہم کاموں کو انجام دینے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہوں تو میں اس ذمہ داری کو قبول نہ کرتا۔ اہم کام میں صرف اپنے پروردگار ہی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ عمر کو اپنی قوت وتدبیر پر کوئی اعتماد نہیں ہے جب تک اللہ بزرگ و برتر کی مدد تائید اور رحمت اس کے شامل حال نہ ہو۔ کیونکہ میں بہت ہی کمزور مسلمان بندہ ہوں اللہ ہی میری مدد کرسکتا ہے۔ خلافت کا اہم منصب ان شاءاللہ میرے اخلاق وعادات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرے گا۔ اس لیے تم میں سے کوئیبہ نہ کہے کہ خلیفہ بننے کے بعد عمر تبدیل ہوگیا ہے۔ میں بذات خود حق وصداقت کو سمجھوں گا اور اس کے لیے پیش قدمی کروں گا اور اپنا معاملہ تمہارے سامنے پیش کروں گا۔ تاہم جس کسی کو کوئی ضرورت درپیش ہو یا اس پر ظلم ہوا ہو یا ہمارے برخلاف اسے کوئی شکایت ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے کیونکہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں اس لیے تم ظاہر و باطن اور اپنی عزت وآبرو کے تحفظ کے وقت ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ میں اپنی امانت (خلافت) اور اپنے فرائض کا ذمہ دار ہوں اور ان شاءاللہ اپنے فرائض اور کاموں کو بذات خود انجام دوں گا۔ اسے کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ دیگر امور کو بھی مخلص اور خیر خواہ لوگوں کے سپرد کروں گا اور ان شاءاللہ ان لوگوں کے علاوہ اور کسی کے سپرد اپنی امانت نہیں کروں گا۔ میری یہ آرزو ہے کہ میں اس طرح آخرت میں نجات حاصل کروں کہ نہ تو مجھے کوئی فائدہ حاصل ہو اور نہ کوئی نقصان ہو میں توقع رکھتا ہوں کہ خواہ میری عمر تھوڑی ہو یا زیادہ میں حق و

---

[1] الطبری، تاریخ :3/237-240)

صداقت کے مطابق کام کروں اور کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہے جسے اللہ کے مال (غنیمت سے) اس کے حق کے مطابق نہ ملے۔ خواہ وہ گھر میں کیوں نہ ہو (اسے اس کا حق اور حصہ وہیں ملنا چاہیے) اور اسے اس کے حاصل کرنے کے لیے (میرے پاس آنا) نہ پڑے۔)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حضرت عثمان رضی اللہ نے خلافت کی بیعت لینے کے بعد یہ خطبہ ارشاد فرمایا :

" أمَّا بعدَ فإنِّي قَدْ حمِلْت وقَدْ قَبِلْت أَلَا وإنِّي متَّبِع ولَست بمبتدِع أَلَا وإنَّ لَكُم علَيَّ بعدَ كتاب الله عزَّ وجلَّ وسنَّة نَبيه صلّى الله علَيه وسلَّم ثَلَاثًا اتِّباع من كَان قَبلِي فِيما اجتمعتم علَيه وسننتم وسنَّ سنَّة أَهلِ الْخير فِيما لَم تَسنُّوا عن ملَإ والْكَفُّ عنكُم إلّا فِيما استوجبتم -"[1]

(اما بعد ! مجھ پر بار ڈال دیا گیا ہے اور میں نے اسے قبول کیا ہے مگر آگاہ ہو جاؤ کہ میں (اپنے پیش رووں کی)اتباع کروں گا اور کوئی نئی بات (بدعت) نہیں نکالوں گا۔ اللہ بزرگ و برتر کی کتاب اور سنت نبی میں اسلام کی اتباع کے بعد میں تین باتوں پر کاربند رہوں گا میں تمہارے متفقہ فیصلہ اور مشورہ کی تعمیل کروں گا اور متفقہ طریقہ جو تم نے مقرر کیا اس میں اہل خیر کی سنت اور طریقے پر چلوں گا میں ضروری حقوق ادا کرنے کے علاوہ اور باتوں میں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔)

حضرت علی رضی اللہ کا پہلا خطبہ

حضرت علی رضی اللہ سے بیعت جمعہ کے دن کی گئی ۔ خلافت کے بعد حضرت علی رضی اللہ نے خطبہ دیا۔

"فَقَالَ إنَّ الله عزَّ وجلَّ أَنْزلَ كِتابا هاديا بيَّن فِيه الْخير والشَّر فَخذُوا بِالْخير ودعوا الشَّرَّ- الْفَرائِض أَدَّوها إلَى الله سبحانه يؤدِكُم إلى الْجنَّة إنَّ الله حرَّم حرما غير مجهولَة وفَضل حرمة الْمسلِم علَى الْحرم كُلِّها وشَدَّ بِالْإِخلَاص والتَّوحِيد الْمسلِمين والْمسلِم من سلِم النَّاس من لِسانه ويده إلَّا بِالْحقِّ لَا يحِلُّ أَذَى الْمسلِم إلَّا بِما يجِب بادروا أَمر الْعامَّة وخاصة أَحدِكُم- الموت فَإِنَّ النَّاس أَمامكُم وإنَّ ما من خلْفِكُم السَّاعة تَحدُوكُم تَخفَّفُوا تَلْحقُوا فَإِنَّما ينتَظِر النَّاس أُخراهم اتَّقُوا الله عباده في عباده وبِلَاده إنَّكُم مسؤلُون

[1] الطبری، تاریخ :481/3)

حتّیَ عن الْبقَاعِ والْبھائِم وأَطِعوا الله عزَّ وجلَّ ولَا تَعصوه وإِذَا رأَيتَم الْخير فَخذُوا به وإِذَا رأَيتم الشَّرّ فَدَعوه واذْكُروا إِذْ أَنْتم قَلِيل مستَضعفُونَ فِي الْأَرضِ-"[1]

(انہوں نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ایسی کتاب نازل فرمائی جو لوگوں کو ہدایت کرنے والی ہے اس کتاب میں ہر قسم کے خیر و شر کو بیان فرمایا: اب تمہیں چاہیے کہ تم خیر کو قبول کرو اور شر کو چھوڑو۔ اللہ سبحانہ تعالی کے فرائض ادا کرو۔ وہ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ تعالی نے بہت سے امور حرام فرمائے ہیں جو قطعا چھپے ڈھلکے نہیں اور تمام حرام کاموں سے زیادہ مسلمانوں کا خون حرام فرمایا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ اخلاص اور باہم متحد رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ مسلم وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دیگر لوگ محفوظ رہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ اللہ تعالی ہی نے اس کی ایذا دہی کا حکم دیا ہے۔ تم موت آنے سے قبل عام اور خاص احکام سب پر عمل کرلو۔ کیونکہ لوگ تو تمہارے سامنے موجود ہیں اور موت تمہیں گھیرتی چلی آرہی ہے۔ تم گناہوں سے ہلکے ہو کر موت سے ملو۔ لوگ تو ایک دوسرے کا انتظار ہی کرتے رہتے ہیں۔ تم لوگ اللہ کے بندوں اور اس کے شہروں کی بربادی کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم سے اس کا ضرور سوال کیا جائے گا حتی کہ چوپایوں اور گھاس پھوس کے بارے میں بھی تم سے سوال ہوگا۔ اللہ عزوجل کی اطاعت کرو۔ اس کی نافرمانی نہ کرو اور جو بھی تمہیں خیر نظر آئے اسے قبول کرو اور جو برائی دیکھو اسے چھوڑ دو اور اس وقت کو یاد کرو جب تم لوگ تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں کمزور تھے۔)

یہ خطبات اپنے اختصار وایجاز کے باوجود اہم ترین اسلامی خطبوں میں سے ہیں۔ ان کے اندر حاکم اور رعایا کے مابین تعامل کے سلسلہ میں عدل ورحمت کے قواعد مقرر کیے۔ اس بات پر زور دیا کہ اولی الأمر کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت پر مترتب ہوتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی کیونکہ امت کے عزوشان کے لیے یہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور فواحش سے اجتناب پر زور دیا کیونکہ معاشرہ کو گراوٹ وفساد سے بچانے کے لیے یہ انتہائی ضروری چیز ہے۔ خلفاء راشدین کی حکومت سے مسلمانوں نے کچھ ہی مدت استفادہ کیا۔ ان کے خطبات کے ذریعے سے ماضی وحاضر میں پائے جانے والے نظام ہائے حکومت کے معیار پر اختیارات کی حد بندی کی۔ ان کی حکومت شورائی

---

[1] الطبری، تاریخ: 512/3)

حکومت تھی۔ ہر دور میں حریت وعدل کے متلاشی، اقوام وامم کی سیاست کے لئے اس سے بہتر حکومت نہیں پاسکتے۔
خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات سے اسلامی سیاسی نظام کے لئے درج ذیل اصول اخذ ہوتے ہیں۔

1۔ جوامیر بنایا گیا وہ قوم سے بہتر اور بالاتر نہیں ہوتا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مجھے مسلمانوں نے اپنی مرضی اور رضامندی سے مقرر کیا ہے، اور یہ کہ مسلمانوں کو حکومت کرنے کا حق ہے۔ اور وہ حاکم ہیں جو حاکم کو مقرر کرتے ہیں پھر وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اس قوم کا حصہ ہے جس نے اسے مقرر کیا ہے اور وہ اس سے اوپر یا اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی طرح باقی خلفاء راشدین نے بھی فرمایا۔

2۔ اگر امیر اچھا کرے تو اس کی مدد کرو اگر برا کرے تو اسے سیدھا کردو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے اعمال کی نگرانی اور احتساب میں امت اور افراد امت کے حق کو ثابت کرتے ہیں کہ ہم منکر سے جس کا وہ ارتکاب کریں روکنے اور جسے وہ صحیح اور شریعت کے مطابق سمجھتے ہوں اس پر مجبور کرنے کا ان کو حق دیتے ہیں۔ اسی طرح باقی خلفاءراشدین نے بھی فرمایا۔

3۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔

خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم نے امت کی قیادت کے لئے اپنے بنیادی اصول کا اعلان فرمایا کہ سچائی حاکم اور امت کے درمیان تعامل کی اساس ہے۔ اس حکیمانہ سیاسی اصول کا امت کی قوت میں بڑا اہم اثر ہوتا ہے۔ اس سے حاکم وعوام کے مابین اعتماد مضبوط ہوتا ہے۔ یہ سیاسی خصلت اسلام کی دعوت صدق سے پیدا ہوتی ہے۔

4۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کردوں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے چنانچہ میں اس سے حق لوں گا۔

اسلام نے حکام پر لازم کیا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں۔ زبان، وطن، معاشرتی احوال کی بنیاد پر امتیاز نہ برتا جائے۔ حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل وحق کے ساتھ فیصلہ کرے اس کی پرواہ نہ کرے کہ محکوم دوست ہے یا دشمن، مالدار ہے یا فقیر، مزدور ہے یا تاجر۔

5۔ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت کو مسلط کردیتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جہاد کی تربیت رسول اللہ ﷺ سے براہ راست حاصل کی تھی۔ توحید وشرک، ایمان وکفر، ہدایت وضلالت، خیر وشر کے درمیان معرکہ آرائی کے میدان میں تربیت حاصل کی۔ اسی طرح باقی خلفاء راشدین نے بھی فرمایا۔

6۔ جس قوم میں بری باتیں عام ہو جاتی ہیں اللہ ان پر مصیبت کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

حکومتوں کے قیام اور تہذیب و تمدن کے ظہور سے اخلاق کا انتہائی گہرا تعلق ہے۔ اگر اخلاق میں بگاڑ آجائے تو ممالک تباہ اور امتیں ضائع ہو جاتی ہیں اور فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے، انار کی پھیلتی ہے۔ گذشتہ اقوام و ملل اور تہذیبوں کا بصیرت کی نگاہ سے جس نے مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت آشکارا ہے کہ کس طرح تہذیب و تمدن کا قیام دین صحیح اور اخلاق کریمہ پر ہوا ہے۔ جب تک اخلاق کریمہ کو مد نظر رکھا اور اس کی حفاظت کی تو کامیابی و کامرانی نے اس کا ساتھ دیا اور اب فواحش و منکرات کے جراثیم ان میں سرایت کر گئے تو پھر ان کی حکومتیں ہلاکت و تباہی کا شکار ہو گئیں اور ان کی شان و شوکت ملیامیٹ ہو گئی اور ان کی تہذیب و تمدن کا جنازہ نکل گیا۔

7۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے میں شریعت کو سب پر بالادستی حاصل تھی۔ حاکم و محکوم سب اس کے تابع تھے۔ اس لئے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے امت سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مقید کیا۔

حاصل بحث:

خلفاء راشدین کے خطبات سے حکومت کی تبدیلی کے بارے میں درج ذیل راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

1۔ خلافت کی تمنا نہیں کی۔

2۔ ان کا انتخاب کیا گیا۔

3۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے مطابق امور مملکت سرانجام دیئے۔

4۔ اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کیا۔

5۔ منصب خلافت کو عارضی تصور کیا اور ہر وقت معزولی کے لئے تیار رہیئے۔

اس میں Deductive Inference کے اصول کو استعمال کرتے ہوئے یہ استنباط کیا جائے گا کہ حکومت کی تبدیلی میں بھی ان ہی اصولوں کو مد نظر رکھا جائے گا۔

فصل دوم

مسلم مفکرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

ابو نصر فارابی : (870ء-950ء)

تیسری صدی ہجری کا یہ مسلم مفکر بنیادی طور پر ارسطو کے شارح اور معلم ثانی کے طور پر مشہور ہیں، اس کی فکر اصلا اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے اور غالبا وہ پہلا اسلامی مفکر ہے جس نے ریاست کے جملہ امور سے متعلق اپنے افکار منتظم کئے۔ فارابی نے معیاری اور غیر معیاری سلطنت کی تقسیم تقریباً ارسطو کے تصورات کے مطابق کی ہے. تاہم اس نے سربراہ مملکت و حکومت کی خصوصیات تفصیل سے بیان کی ہیں۔ ناپسندیدہ اور غیر معیاری سلطنتوں میں اس نے جبری حکومت (مدینۃ التغلب) مطلق العنانیت (مدینۃ الجاھلیۃ) اور جمہوریت (مدینۃ الجماعیۃ) کا ذکر کیا ہے۔ فارابی کے خیال میں سلطنت کا ذمہ دار ایک ہمہ صفت سربراہ ہونا چاہیے جسے اس نے رئیس الاول کا نام دیا ہے جو درج ذیل خصوصیات کا مالک ہو: اعضاء و حواس میں مکمل، فہم و فراست میں طاق، حافظہ میں تیز، ذہین فطین، اظہار خیال مؤثر، تعلیم و تہذیب کا دلدادہ، لہو و لعب اور جنسی ترغیبات سے مجتنب، صداقت کا علمبردار، وسیع القلب، عدل وانصاف کا یاور اور متحرک ہو۔

اس کے خیال میں اگر یہ خواص کسی ایک شخص میں محال ہوں تو ایسی خصوصیات میں سے زیادہ سے زیادہ رکھنے والے کو ترجیح دی جائے۔ جس میں 6 صفات ہوں۔[1] اگر دو شخص ہوں جن میں یہ صفات جمع ہوں اور ایک حکیم ہو تو ان دو کو سربراہ بنادیں۔ پھر اس طرح کی صلاحیتوں کے حامل افراد کا ایک ادارہ ہو جو سربراہ کی راہنمائی کرنے کے لئے موجود ہو۔ مگر ایک حکیم ہونا ضروری ہے۔ اگر حکیم پر وہ متفق نہ ہوں تو وہ ملک جلد ہلاک ہو گا۔[2]

ریاست، بقول فارابی کے، ایک زندہ جسم کی مانند ہے لہذا رئیس مملکت کی حیثیت مرکز جسم کی ہے اور اس کی مضبوطی و کمزوری کا دارو مدار رئیس الاول کی قوت و کمزوری پر ہے۔ اعضائے ریاست میں سے وہی رئیس دوسروں سے قوی اور تندرست ہو۔ ایسے سربراہ مملکت کا تصور تو آسان ہے مگر عملی دنیا میں اس ملنا مشکل ترین ہے۔

الغرض فارابی کے نزدیک سربراہ مملکت کو کامل اور بہترین صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر ایسا فرد نہ ہو تو ایک شوریٰ

---

[1] الفارابي، محمد بن ترخان، آراء أهل المدينة الفاضلة ومضاداتها، مؤسسة (هنداوي، مصر 2016)، ص، 75,76,77

[2] ایضا، 77

بنائی جائے۔اس میں ایک حکیم لازمی ہو ورنہ وہ ملک ہلاک ہو جائے گا۔اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فارابی ایک ایسی حکومت قائم کرنے کا کہتا ہے جو بہترین صفات کی حامل ہو،اگر اس میں یہ صلاحیت نہ ہو تو ملک کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اسے معزول کرنا ضروری ہے۔

اس نے معزولی و تبدیلی کا طریقہ کار نہیں دیا لیکن اس نے ایک ادارے کے قیام،عوامی نمائندگی،شوریٰ کا ذکر کیا ہے جو ایک جمہوریت کی شکل بنتی ہے اور غیر صالح حکومت کو کسی صورت برداشت نہیں کیا۔اس سے ایک ایسی کمیٹی کے قیام کی طرف راہنمائی ملتی ہے جو حکومت کو معزول کر کے دوسری حکومت کا قیام پرامن طریقے سے کر سکے۔

الماوردی :(974ء-1058ء)

الماوردی مسلم فقیہ،مفسر،محدث اور فقہ شافعی کے عالم تھے۔ان کی مشہور ترین تصنیف الاحکام السلطانیہ جو اسلامی نظام وآئینِ حکمرانی اور سیاست پر مبسوط اور اہم کتاب ہے۔ ماوردی کی رائے یہ ہے کہ سیکولر ریاست کی بنیاد ان اصولوں پر رکھی جاتی ہے جو انسانی عقل سے ماخوذ ہوتے ہیں،لہٰذا ایسی ریاست میں شہریوں کی صرف مادی ترقی ہی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اس کے برعکس خلافت کی بنیاد چونکہ قانونِ وحی پر ہوتی ہے،لہٰذا یہ عوام کی مادی اور روحانی ترقی دونوں کی ضامن ہوتی ہے ماوردی نے اسلامی سیاست کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔جس کے ابواب کی تعداد بیس ہے۔ جس میں ریاست سے متعلق اہم امور کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔انھوں نے سربراہ کے لئے سات شرطیں ذکر کی ہیں۔عدالت،اجتہاد کی صلاحیت،حواس کی درستگی،اعضا کی سلامتی،مصالح کی تدبیر،شجاعت،قریشی ہونا

انھوں نے سربراہ کو نامزد کرنے کے دو طریقے بتائے ہیں

ایک یہ کہ اھل عقد و حل مشاورت سے اس کا انتخاب کریں اور دوسرا طریقہ ولی عہدی کا ہے۔

اھل حل وعقد کے طریقے کو ترجیح دیتے ہیں۔اور پھر بیعت کو ضروری کہتے ہیں۔

اس زمانے کے سیاسی مفکرین میں ماوردی وغیرہ خلیفہ کی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے اور خلافت کو اسلامی اصول کے مطابق قائم کرنے کے خواہاں تھے جس میں خلیفہ کا انتخاب شوری کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

اور عوام امام کو اسلامی قوانین سے منحرف ہونے کی صورت میں برطرف بھی کر سکتے ہیں۔[1]

ان کے نزدیک مشاورتی کونسل ضروری جو امام کا انتخاب کرے اور اگر امام میں مذکورہ شرطیں نہ ہوں اور اس کو معزول کرنا ہو تو اسی مشاورتی کونسل کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] الماوردی،علی بن محمد،الاحکام السلطانیۃ(قاھرہ:دارالحدیث،2006)ص20-10

امام الحرمین جوینی:(1028ء۔ 1085ء)

آپ مشہور و معروف، ذہین و فطین تھے، نظام الملک طوسی کے خاص مشیر تھے، وہ سیاسی معاملات میں جوینی سے مشاورت کرتا جس پر انھوں نے ایک کتاب 'غیاث الأمم في التیاث الظلم' سیاست کے موضوع پر تحریر فرمائی۔
ڈاکٹر عمر انور الزبدانی نے 1983ء میں جوینی کے سیاسی نظریات پر ایک کتاب 'سیاسۃ الشرعیۃ عند الجوینی' لکھی۔
ڈاکٹر عمار کامل الخطیب جامعۃ بغداد/کلیۃ العلوم الإسلامیۃ نے 2010ء اس موضوع پر مقالہ 'قواعد في السیاسۃ الشرعیۃ عند الإمام الجوینی من خلال کتابہ غیاث الأمم في التیاث الظلم' لکھا۔

علم سیاست پر ان کی زیر نظر کتاب میں نصبِ امامت کے وجوب اور اس نظریہ کے مخالفین کی تردید کی گئی ہے ۔ مسئلہ امامت کو نص سے ثابت کیا گیا ہے۔ اہل حل و عقد کی تعداد کی تعین کی گئی ہے، امام کی صفات، اسے معزول کرنے کی صورت میں مفضول امام کا مسئلہ، دو اماموں کی بیک وقت موجودگی کی ممانعت وغیرہ مسائل پر مفصل بحث لکھی ہے۔ ایک امام کو اتارنے اور دوسرے کو بنانے میں ترتیب کے لحاظ سے اتارنا پہلے ہوگا پھر دوسرے کو بنانا۔
معزول کرنے کا اختیار شوریٰ یعنی اھل العقد کو ہوگا،
صفات الامام یہ ہیں حواس کا سلامت ہونا، اعضاء کا سلامت ہونا، قرشی، مرد ہونا۔ آزاد ہونا، کمال العقل ، بالغ، شجاعت، علم، تقوی، توقد الرای
امام کی صفات جو بیان کی گئیں ان میں جس کا بھی انتفاع ہوگا تو وہ امام خلع و انخلاع کیلئے موثر ہوگا۔
خلع الامام کے قواعد

1۔ الردۃ
2۔ فقد العقل
3۔ فسق و فجور کا ارتکاب کرنا
4۔ الجنون
5۔ شوکت و رعب کا ختم ہو جانا

امام الجوینی نے امام کے عزل پر عدم شوکہ کی نص کی ہے کیونکہ اس صورت میں اضطراب و قتل کی طرف راہ ہموار ہو گی۔

6۔ شوریٰ کا فیصلہ کرنا

ان کے نزدیک امام کو معزول کرنے کے لئے اہل الحل والعقد کے فیصلہ ومشاورت ضروری ہے۔ وہ ایک شوریٰ کو اس کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں۔[1]

نظام الملک طوسی: (1018-1092ء)

سلجوقی بادشاہ الپ ارسلان (1072-1093ء) اور ملک شاہ (1072-1092ء) کے ساتھ وزیر اعظم کے طور پر رہنے والے مسلمانوں کے بطل جلیل طوسی کے سیاسی افکار ان کی کتابوں سیر الملوک اور سیاست نامہ اور مجمع الوصایا (دستور الوزراء) ماخوذ ہیں۔ ان کا امام کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ اللہ عزوجل مناسب شخص کو ہی یہ منصب عطا کرتا ہے۔ اور عوام اسے دل سے قبول کر لیتے ہیں۔ اس کی اطاعت ضروری ہے۔[2]

گویا طوسی، بادشاہ کو مامور من اللہ سمجھتا ہے، اطاعت اس لئے ضروری قرار دیتا ہے اللہ نے امیر کی اطاعت لازم قرار دی ہے۔ بادشاہ کی اطاعت فرض ہے۔[3]

اس کے خیال میں رعایا کے اعمال اچھے ہوں تو ان پر اچھا حکمران، اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ اگر ظالم عوام ہوں گے تو ظالم بادشاہ مسلط ہوگا۔ طوسی نے بادشاہ کے فرائض واختیارات میں حصہ بٹانے اور نظام حکومت کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے وزارتوں کے قیام، وزیروں کے اوصاف وفرائض اور ان کے اختیارات کی تفصیل بیان کی ہے۔[4]

پروفیسر رشید احمد لکھتے ہیں کہ

> "سلجوقی سلاطین کے زمانے میں ساری ذمہ داریاں نظام الملک ہی کے کاندھوں پر تھیں۔ اس لیے وہ عملی سیاسیات میں جس قدر مہارت رکھتا تھا دوسرے متفکرین کے حصے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا۔ دوسرے مفکرین کی حیثیت سیاست میں تماشابینوں سے زیادہ نہ تھی۔ جہاں تک تدبر وسیاست کا تعلق ہے تقریباً تمام مفکرین اس سے غیر متعلق رہے، فارابی، سیف الدولہ کی حاشیہ نشینی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ماوردی نے ساری عمر فصل خصومات میں گذاری۔ غزالی، صدادرس وتدریس، تصنیف وتالیف اور سیر وسیاحت ہی میں مشغول رہے۔ متاخرین میں ابن خلدون کتابت اور معلمی سے لے کر قضا کے عہدوں کے درمیان چکر لگاتا رہا۔ جوڑ توڑ اور سازشوں کا البتہ اسے کافی تجربہ ہوا لیکن نظم ونسق، تدبر وسیاست سے بے بہرہ رہا۔ برخلاف اس کے نظام الملک

---

[1] جوینی، امام الحرمین ابوالمعالی، غیاث الامم فی التیاث الظلم، (قاھرہ، دارالکتب المصریہ، 1968) ص98,98,126

[2] طوسی، نظام الملک، سیر الملوک (پیرس: 1890) ص5

[3] ایضا

[4] طوسی، نظام الملک، دستور الوزراء (پیرس: 1890) ص39

کاروبار مملکت کی انجام دہی میں محو رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکومت کے تمام نشیب و فراز سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہے۔ وہ سیاسیات کے متعلق جب لب کشائی کرتا ہے تو سنی سنائی نہیں کہتا ہے یا کوئی ایسی بات نہیں لکھتا جو قابل عمل نہ ہو بلکہ سیاست نامہ جو اس کی عمر کے آخری سال لکھا گیا وہ اس کی تیس سالہ عملی سیاست کا نچوڑ ہے. گیارھویں صدی میں عباسی خلفاء بالکل مسلوب الاختیارات تھے۔ وہ سلاطین کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ خلفاء کا دائرہ اختیار مذہبی امور ہی تک محدود تھا۔ سیاست اور حکومت پر یہ سلاطین قابض تھے۔ اس طرح سے تقسیم اقتدار نے دو عملی حکومت کو جنم دے دیا تھا۔ اس زمانے کے سیاسی مفکرین میں ماوردی وغیرہ خلیفہ کی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے اور خلافت کو اسلامی اصولوں کے مطابق قائم کرنے کے خواہاں تھے جس میں خلیفہ کا انتخاب شوریٰ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اور عوام امام کو اسلامی قوانین سے منحرف ہونے کی صورت میں برطرف بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن ان زریں اصولوں کی وقعت عملی دنیا میں کچھ نہیں رہ گئی تھی۔ نظام الملک ماوردی کی طرح خیالی دنیا میں نہیں رہتا تھا۔ اس لیے اس نے حقائق سے چشم پوشی نہیں کی۔ وہ ایک تو اپنے زمانے کے حالات سے مکمل واقفیت رکھتا اور دوسری طرف وہ جوش اسلام سے سرشار نظر آتا ہے[1]۔"

وہ اپنے تیس سالہ سیاسی تجربات کی بنا پر مادی اختیارات خلیفہ کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ماوردی وجوب امامت کے لیے جو دلائل پیش کرتا ہے لفظ بہ لفظ وہی دلیلیں نظام الملک سلطان کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے دیتا ہے۔ بادشاہ امور مملکت کو خود ہی انجام دے۔ لیکن چونکہ تمام کام خود کرنا عملا محال ہے۔ تو یہ ضروری قابل اعتماد افراد تلاش کرے، اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے حکومت کے مختلف کام سپرد کرے۔ لیکن بادشاہ وقتاً فوقتاً عمال کو ہدایت نامے جاری کرے، رعایا سے اچھا سلوک کرے، قانون کے مطابق ان سے ٹیکس وصول کرے اور اس سے انحراف نہ کرے۔

بادشاہ کے لیے قانون سازی اور ان کے اجرا کے طریقے جو نظام الملک نے بیان کیے وہ بادشاہ کے من مانے احکامات کے جاری کرنے سے روکتا ہے۔ دانا اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینے کی تاکید کر کے وہ بہت حد تک جمہوری نظام کے قیام کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاہم وہ رعایا کو ان قوانین پر رائے زنی کرنے اور ان کے نقائص کو ظاہر کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک رعایا کو قوانین کے حسن و قبیح کے متعلق غور کرنے کا حق حاصل نہیں بلکہ رعایا کا یہ فرض ہے کہ بادشاہ کے جاری کردہ احکامات کی من و عن تعمیل کرے۔

حکومت (وزرا) کی تبدیلی:

اس وقت بادشاہ کی حکومت وزرا پر مشتمل ہوتی تھی۔ ان کے نزدیک بادشاہ کو حکومت پر کڑی نظر رکھنی چاہئے، ان کی

---

[1] احمد، رشید، پروفیسر، مسلمانوں کے سیاسی افکار (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1990) ص 94,95

کوہتائیوں پر سخت سزا بھی دی جائے، پھر بھی اصلاح نہ کریں تو معزول کر دیا جائے، اگر خیانت ثابت ہو تو معزولیت واجب ہے۔[1]

اس سے اس بات کا باخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک حکومت کی کارکردگی صحیح نہ ہو تو اسے معزول کر کے دوسری حکومت تشکیل دی جائے۔

امام غزالی: (1111-1058ء)

عالم اسلام کے عظیم مفکر، محدث، مفسر، متکلم اور فقیہ امام غزالی کی علم سیاست کے موضوع پر کئی کتابیں ہیں۔ فضائح الباطنیۃ و فضائل المستظہریۃ میں امامت کے مسئلے پر بھرپور بحث کی ہے۔ سر العالمین و کشف مافی الدارین کا مرکزی موضوع اقتدار تک رسائی اور اس کے لیے مستحکم عصبیت کی تشکیل ہے۔ اسی نظریہ کو ابن خلدون نے ایک مکمل فلسفہ بنا کر پیش کیا ہے۔ انہوں نے کتاب التبر المسبوک فی نصیحۃ الملوک سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے لیے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے انعام خداوندی کے اعتراف اور اس کی قدر، عدل وانصاف کے اصولوں کی وضاحت، شوریٰ، حاکموں کی جواب دہی، رعایا کے حالات و مسائل، حکمرانوں کی مطلوبہ صفات، اصلاح عوام اور تعمیر ملت جیسے گہرے موضوعات سے بحث کی ہے۔ امام غزالی کی وہ تصانیف جن میں ان کے سیاسی افکار ملتے ہیں: احیاء علوم الدین، نصیحۃ الملوک، الاقتصاد في الاعتقاد، فضائح الباطنیہ، المصطفٰی فی علم الاصول، سر العالمین و کشف مافی الدارین، فاتحہ العلوم ہیں۔

امام غزالی کے خیال میں سیاسیات ایک دینی تعلیم ہے اور دین میں سیاست کے بنیادی قانون، اللہ کی تعلیمات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ انسانوں کے باہمی تعلق اور معاملہ کا منبع علم سیاسیات ہے اور یہ زندگی کا اہم ترین پہلو ہے۔ اجتماع و تمدن، انسانی فطرت کا تقاضا ہے، سیاست اس اجتماع انسانی کو سنوارنا۔ انسانی اجتماعیت کے امام غزالی کے بیان کردہ چار مراتب ہیں۔ ان میں اولین درجے کی سیاست انبیاء کی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت وراہنمائی سے براہِ راست فیض یاب ہوتے ہیں۔ دوسرے درجے کی سیاست خلفاء ملوک کی ہوتی ہے جو انبیاء کے سیاسی جانشین اور لوگوں میں سے بہترین اوصاف کے مالک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد درجہ، علماء کی سیاست کا ہے جو انبیاء کے وارث ہیں، آخری درجہ معلمین اخلاق یا واعظین کی سیاست کا ہے۔[2]

---

[1] طوسی, نظام الملک مترجم الدکتور یوسف بکار سیر الملوک أوسیاست نامہ (بیروت: دار المناھل، 2007), 50,51،80،69

[2] الغزالی، ابو حامد محمد, احیاء علوم الدین (مصر: مصطفی البابی، 1939) ص20

امام غزالی کے سیاسی افکار ایک ہمہ جہت تازگی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگی کا عصر نمایاں ہے۔ انہوں نے آج کے مسائل پر، آج سے ایک ہزار سال پہلے بحث کی ہے جو ان کی سیاسی و سماجی بصیرت کی دلیل ہے۔ ان کے ہاں بعض دفع سلطان و خلیفہ (امام) کے الفاظ خلط ہوتے نظر آتے ہیں لیکن لگتایوں ہے کہ سلطان کا لفظ الامام بالقوۃ کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں، یعنی امام یا خلیفہ کی موجودگی اور اس کی رسمی سربراہی میں سلطنت کے سارے امور سرانجام دینے والا فرد سلطان کہلائے گا۔ غزالی نے الماوردی کی پیروی کرتے ہوئے محتسبہ کے ادارے کو ضروری کہا، طریق کار اور آداب و شرائط کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے احیاء علوم الدین جلد دوم کا نواں باب مختص کیا ہے، جس کا عنوان کتاب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ہے[1]

جس طرح کہ روز نتھال(Rosenthal,) کے نزدیک سلطان معاملات پر قابو پانے والا فرد ہے، وہ بیعت امام کا مالک ہے اور اسے امتیازات دیتا ہے، اس کے حکم اور فیصلوں پر اس کے غلبہ کی وجہ سے عمل کیا جاتا ہے۔[2]

ڈاکٹر خالد مسعود لکھتے ہیں کہ

> " طوسی نے امام غزالی کو باطنیوں کی بدعات کے بارے میں کتاب لکھنے کا کام سونپا۔ اس کتاب میں باطنیوں کے سدِ باب کے لیے ایک مکمل دینی بنیاد پیش کی گئی اور نظریہ تو اُمان کا حوالہ بھی دیا گیا" اسلام اور سلطان دو جڑواں بھائی ہیں"۔[3]

امام غزالی کے دور میں اسلامی سیاسی نظام میں خلیفہ صرف ایک علامت تھا، وہ ایک مرکزی مسلم حکومت پر حکمرانی کرنے کے بجائے محض کٹھ پتلی تھا، خلیفہ صرف ایک مذہبی کردار تھا۔ کیونکہ حقیقی سیاسی طاقت اور حکومت بنی سلجوق کے پاس تھی۔ عباسی خلافت کئی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گئی تھی، جس کی قیادت اس کے حکمران کر رہے تھے، حالانکہ وہ اب بھی باضابطہ طور پر خلیفہ کو ریاست کے سربراہ کے طور پر تسلیم کرتے تھے۔

"المستظیری"، جو 1094-1095 میں لکھی گئی تھی۔ اس میں امام کی حکمرانی کی قانونی حیثیت کے مسئلے پر توجہ دی گئی۔ اور باطنیہ کے خلاف لکھی گئی۔ اس میں اسلامی سنی سیاسی نظریے کو بیان کیا۔ اور ان خصوصیات کو بیان کیا جو خلیفہ کے لیے ضروری ہیں، نیز اس کے انتخاب کا طریقہ کار بھی بیان کیا، "الاقتصاد فی الاعتقاد" یہ بنیادی طور پر عقائد پر لکھی گئی، لیکن جا بجا سیاسی نظریات و اصول بیان کئے بالخصوص سلطان کی عزت و احترام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس میں

---

[1] الغزالی، ابو حامد محمد, نصیحۃ الملوک (تہران: کتاب خانہ، 1357) ص 94,18,19.14,40,41,

[2]- Rosenthal, Politic Thought in Medieval Islam, p:26.39 -

[3]، مسعود، خالد،، مذہب و ریاست دو جڑواں بھائی: مسلم کلاسیکی سیاسی فکر 1 جنوری, 2020 ہیں

https://www.tajziat.com/article/10613(16/12/2022)۔

خلافت اور سلطنت کے تعلق کی فکر کو پیش کیا گیا۔ اسلامی سیاسی نظریے کی بنیادوں اور خلافت کے تاریخی طریقوں کا بغور تجزیہ کرتے ہوئے اسے امام اور سلطان کے درمیان اتحاد کی ضرورت قرار دیا۔

امامت کا نظریہ:

ریاست کے بارے میں الغزالی کی تعلیم، یعنی امامت کا نظریہ، تین اہم دفعات پر قائم ہے

1. ریاست کی تنظیم بذریعہ ضروری طاقت
2. خلافت مسلم کمیونٹی کے اتحاد اور اس کے تاریخی عمل کی علامت ہے جس میں سلطنت خلافت کا ایک لازمی حصہ ہے۔
3. خلافت کا ادارہ جاتی اختیار شریعت پر منحصر ہے۔

امام غزالی کے مطابق، ایک امام کو اعلیٰ ترین اختیار کے طور پر یا تو نبی، یا ایک فعال خلیفہ، یا کسی شخص کے ذریعے، حقیقت سے متعلق طاقت کے ذریعے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ان دنوں میں اماموں کا تقرر عموماً سلاطین کرتے تھے اور تب ہی خلیفہ باضابطہ طور پر علماء کے ذریعے منتخب کیا جاتا تھا۔ الغزالی نے اسے نظریاتی طور پر رسمی شکل دی ۔ خلیفہ انتخاب کا طریقہ کار شریعت کے مطابق ہے اور سلطان ایک حقیقی ادارہ جاتی طاقت ہے۔ ایک سلطان کی طرف سے خلیفہ (امام) کی حقیقی تقرری کے بعد، اس کی امیدواری کو علماء اور فقہاء میں سے انتخاب کرنے والوں نے منظور کر لیا اور پھر مساجد میں اعلان ہوا کہ عام مومنین اسے تقدیر سمجھتے تھے۔

امام غزالی کے ڈیزائن کے مطابق سلطان اور امام کے درمیان تعلق فقہاء اور علماء ہونا چاہیے تھا۔ ان کے سیاسی کاموں میں تاریخی حقائق کے مطابق شریعت کی تشریح، خلیفہ کی قانونی حیثیت کا جواز، جو سلطان کے ذریعہ مقرر کیا جاتا ہے، مذہبی، قانونی اعمال (فتاویٰ) کا اجراء، جو شریعت کے عملی اختیار کی نشاندہی کرتا ہے۔ لہٰذا، الغزالی کے مطابق، ایک سلطان کو خلیفہ کے سیکولر فرائض انجام دینے ہوتے تھے جن کے مذہبی نظریاتی افعال فقہا اور علما سے منسوب تھے۔

امام غزالی کی تصنیف تبر المسبوک ہے جو سیاسیات و اخلاقیات کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ملک شاہ سلجوق کے بیٹے غیاث الدین ابو شجاع محمد کو امور مملکت کی انجام دہی میں مشورے دیے ہیں۔ ان مشوروں سے غزالی کے سیاسی نظریات کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس میں ریاست کے موثر انتظام میں حکمرانوں کی اہم ذمہ داریوں پر خطاب کیا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ کتاب صرف سلاطین پر لکھی گئی، اس میں خدا اور ان کے لوگوں کے سامنے سلطانوں کی عظیم ذمہ داری پر زور دیا اور یہ ظاہر کیا کہ حکومت خدا کی طرف سے دی گئی ہے۔ سلطان کا پہلا فرض اس کے ذاتی ایمان کی مضبوطی ہے جبکہ عوامی فرائض کو صرف طاقت کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے۔ مذہبی روایات، ساسانی

سلطنت اور خلافت کی تاریخ کی متعدد مثالوں سے دکھایا کہ کس طرح غیر منصفانہ حکمرانی نے ظلم کو جنم دیا اور ظلم نے غیر منصفانہ حکمرانی کو جنم دیا۔ انہوں نے سلطانوں پر زور ہے وہ دینی مسائل پر فقہاء اور علماء آراء وامور عامہ وزیروں کے مشوروں کو سنیں۔ انھوں نے وزیر کے عہدے کی غیر معمولی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ امام غزالی کی ایک تصنیف سر العالمین ہے۔ اس میں رموز مملکت بیان ہوئے ہیں۔ ایک اور تصنیف فاتحہ العلوم ہے۔ یہ ضروری علوم کی اقسام پر مشتمل ہے۔ ہر ایک علم کے موضوع سے بحث کی گئی ہے۔ ان علوم میں سیاست کا خاص طور پر ذکر ہے۔

امام غزالی کے زمانے میں بادشاہ مطلق العنان اور ہر طرح کے قوانین و ضوابط سے بالاتر تھے، اور ان پر اعتراض کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ مشرقی سلطنتوں میں عموما حکومت کا نظم و نسق وزراء کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ وہ حکومت کے منتظم اور ذمہ دار ہوتے تھے۔[1]

خلیفہ، سلطان، وزراء وحکام کی تبدیلی:

وہ اپنی کتاب فضائح الباطنیۃ میں امام کے لئے اجتہاد کی شرط کو لازم قرار نہیں دیتے۔ اجتہاد کا درجہ وہ چیز نہیں ہے جو قیادت میں ضروری ہو، بلکہ تقویٰ کافی ہے۔ امام اپنے زمانے کے بہترین لوگوں کی پیروی کر کے اسے جانا شریعت کے احکام جان سکتا ہے۔ ان کے نزدیک امام میں یہ صفات ضروری ہیں عقل، آزادی، حواس کی صحت، رہنمائی، مدد، اور تقویٰ۔

امام غزالی کے نزدیک اگر اہل الاختیار نے مفضول کی بیعت کی اور افضل سے منہ موڑ لیا تو پھر جمہور کا یہ خیال ہے کہ اگر مفضول کی بیعت کی افضل کی موجودگی میں تو اسے افضل کی وجہ سے اتارنا جائز نہیں ہے۔ اگر بیعت مفضول کے حق میں ہو اور اس کے لیے شوکت قائم ہو جائے اور گردنیں اس کے آگے جھک جائیں اور دل اس کی طرف مائل ہوں۔ اگر مجتہد قریش بھی موجود نہ ہو جو جمیع شرائط امامت کا حامل ہو تو اگر امام مفضول کی شوکت قائم ہو چکی ہو تو اس کی امامت کا استمرار واجب ہے۔

ایک مجتہد قریشی موجود ہو جو تقویٰ، کفایت شعاری اور شرائط امامت پر عمل کرتا ہو، تو مسلمانوں کو ضروری ہے اسے معزول کر دیں۔ امام غزالی نے معزولی کی دو صورتیں بیان کی ہیں

1۔ مجتہد قریشی جو باقی صفات کا جامع ہو، طلب امامت کے لیے موجود ہو۔

2۔ عوام اس پر قدرت رکھتے ہوں کہ امام کو معزول اور تبدیل کر دیں ۔

---

[1] Sahri, Sahri. (2021). Political thought of Al-Ghazali on Imamah: Debate between theocracy and democracy. HTS Teologiese Studies / Theological Studies. 77. 10.4102/hts.v77i3.6338.

اور یہ امام غزالی کے زمانے میں ناممکن نہیں تو مشکل ترین تھا[1]۔

امام غزالی کے سیاسی نظریات سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اگر موجودہ حکمران سے بہتر شخصیت موجود ہو اور اس کو معزول کرنے کی قدرت بھی ہو تو اس حکمران کو معزول کر کے اسلامی اصولوں کے مطابق دوسرے حکمران کا انتخاب کیا جائے۔

ابن تیمیہ: (1328-1393ء)

احمد تقی الدین ابن تیمیہ کا زمانہ مسلمان ریاستوں میں افراتفری کا دور تھا۔ ابن تیمیہ نے معاشرہ کے آغاز کے بارے میں نظریات پیش نہیں کئے بلکہ زمانے کے موجودہ صورت حال پر لکھا۔ ضرورت کے مطابق آپ نے کلام الٰہی وسنت کی سیاسی اور سماجی تعلیمات، ان کی تشریح پر زور دیا۔ آپ نے احکام شرعیہ کی وضاحت اس طور کی کہ معاشرہ کی تطہیر ہو سکے اور سیاست وقت کو راہنما اصول میسر آسکیں۔ آپ کے سیاسی افکار زیادہ تر درج ذیل تصانیف میں موجود ہیں: السیاسۃ الشرعیۃ، منہاج السنۃ، الامامۃ والسیاسۃ.

ابن تیمیہ انسانی مساوات کے علمبردار ہیں۔ بطور انسان، سب افراد معاشرہ یکساں حقوق رکھتے ہیں اور ان کا مرتبہ یکساں ہے۔ البتہ صلاحیتوں ،دینی بصیرت کے کے درجے یکساں نہیں۔ معاشرے اس کے عملی رویے سامنے رکھ کر انسانوں کے 4 جماعتیں بیان کیں: ا. الملوک والرؤساء (غلبے کے خواہاں)، ملوک ورؤساء السراق المجرمین (فساد کے خواہاں)۔، صاحب المذہب (اہل مذہب)، أھل الجنۃ (اعلی وارفع سراپا خیر!) گویا انھوں نے انکساری والے نیکوکار سادہ شہریوں کو ریاست کے بہترین اور صاحب تقلید فرد قرار دیا۔ آپ کا خیال تھا کہ تعمیر وترقی شرعی احکام کی تنفیذ سے ہو گی۔

لوگوں کے اجتماع کی صورت میں درپیش مسائل وضروریات کی تنظیم کاری کا نام سیاست ہے۔ اور یہ دین اسلام کے قیام اور رضاالٰہی کے حصول لے لئے لازم ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں سیاست تعمیرِ دنیا ہے جس کے بغیر دین کا استحقام ممکن نہیں۔ اسلئے دین وسیاست میں تقسیم معاشرے کے لیے فائدہ مند نہیں۔

اگر یہ جدا ہو جائیں تو ریاست میں دو گروہ بن جائیں گے۔ ایک دیندار لوگ دولت اور لڑنے کی طاقت سے محروم ہونگے جو کہ دینی ضروریات میں سے ہے۔ اور ایک اور گروہ جو مملکت پر حکومت کرے گا اور غلبہ حاصل کرے گا جو دولت اور لڑنے کی طاقت رکھتا ہو گا مگر دین کا مقصد اور دینی شعور سے محروم ہو گا۔

---

[1] الغزالي، أبو حامد ،فضائح الباطنية، (الكويت: مؤسسة دار الكتب الثقافية- ص.ب 190-194

اس طرح دونوں میں دین کو قائم کرنے کی صلاحیت نہیں ہو گی .اسلئے دین اور سیاست کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔اس میں ہی معاشرے کی ترقی اور دین وریاست کو مستحکم کیا جاسکتا ہے۔ابنِ تیمیہ نے معاشرے کی فلاح و بہبود، اتفاق واتحاد اور ترقی واستحکام کیلئے امامت کو لازمی قرار دیا ہے۔اسلام کا ایک بنیادی عمل امر بالمعروف ونھی عن المنکر ہے۔جس کے لئے ریاستی سرپرستی اہم ہے۔ریاستی طاقت کا ساتھ عملی صورت قائم کرنا آسان ہو سکتا ہے۔ گویا کہ ابنِ تیمیہ نے ایک متقی، دلیر و بہادر، قوت وطاقت والے خلیفہ کو لازمی قرار دیا ہے[1]۔

ابن تیمیہ کے نزدیک نظام شوری اور عزل امیر:

ابن تیمیہ نے شوری کو ضروری قرار دیا۔کتاب اللہ وسنت سے اس کی اہمیت بتائی اور خلیفہ کو شوری بنانے کی تاکید کی ہے۔ایک مستقل باب میں آپ نے مشاورت کے طریق کار اور آداب سے بھی آگاہ کیا ہے۔آپ کے بقول اگر امام مشاورت کا اہتمام کرے تو مشیران کھل کر پر خلوص رائے دیں۔اختلاف رائے کی صورت میں ہر ایک اپنی رائے پر نظر ثانی کرے اور اسے قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھا جائے، جو رائے قرآن وسنت کے اصولوں کے قریب تر ہو اس کو قبول کیا جائے۔شوریٰ میں امام کو جب کتاب اللہ اور حدیث نبوی اور اجماع مسلمین کی آگاہی دی جائے، اسے وجوبی طور پر ان امور کو بجالانا چاہئے اور اگر وہ خلاف ورزی کرے تو عوام پر اس کی اطاعت واجب نہیں۔

اصلح کی حکومت:

اگر اصلاح موجود ہے تو اسکو حاکم بنانا چاہیے اور اگر یہ نہیں ہے تو صالح کو منصف خلافت دے دیا جائے۔ اُنھوں نے ہر منصب کیلئے الامثل فالامثل کا اصول دیا ہے۔اس کے لیے قوت وامانت لازمی قرار دیا ہے۔قوت احکام کے نفاذ کیلئے ضروری ہے اور امانت امامت کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے[2]

آپ نے منہاج السنہ میں خلیفہ کا اسلامی نقطہ نظر بیان کیا ہے۔جس میں آپ نے عہد خلافت راشدہ کو بہترین قرار دیا ہے۔اس پر عمل کرنے کی تاکید و تلقین فرمائی[3]

ابن تیمیہ نے امام کے انتخاب کا طریق کار یا خلیفہ کے اوصاف کی کوئی فہرست نہیں پیش کی ہے، تاہم وہ خلفائے راشدین کو سامنے رکھ کر امامت کے فرائض کی تفصیل ضرور بیان کرتے ہیں جو بنیادی طور پر حفاظت دین اور

---

[1] ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ) لاہور: دار الدعوہ الاسلامیہ) 51,65,68,169,170

[2] ایضا

[3] ابن تیمیہ، منہاج سنہ (لبنان: مکتبہ خیاط، 1962) 354/4

خدمت خلق کا مرقع ہیں۔ان کے خیال میں امام کا انتخاب خواہ کیسے ہو وہ بنیادی صفات اور زریں اصولوں سے مزین ہونا چاہیے۔[1]

الغرض امام تیمیہ کے نزدیک اگر امام کتاب سنت کی اتباع نہ کرے اور اصلح ہو تو اسے معزول کر کے مشاورت سے اصلح کو حکومت دے دی جائے۔

ابن خلدون :(1332-1409ء)

علم عمرانیات کے بانی مفکر علامہ ابن خلدون کہتا ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ اجتماعی صورت میں رہے۔انھوں نے اس کو مجتمع کے لفظ سے بیان کی ہے۔انسان کو زندہ رہنے کے لئے اجتماع کی ضرورت ہوتی ہے۔ورنہ اس کا جینا محال ہو جائز ریاست اسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔اگر ریاست منظم ہو ظلم سے روکا جا سکتا ہے۔اور سب کو ان کا حق دیا جا سکتا ہے[2]۔

ابن خلدون کے بقول سیاست و تمدن کے ایک دوسرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جس ریاست کی حکومت اچھی ہو گی وہ عروج کی طرف سفر کرے گی۔سیاسی طور پر تنزل کی وجہ سے لوگوں کی سماجی ترقی رک جاتی ہے۔۔لہذا اچھی حکومت کو قائم کرنا واجب اور لازمی ہے۔ایک عادل حکومت جو رعایا کی محافظ ہو ریاست و حکومت کو مثالی دور میں داخل کر دیتی ہے۔ طبیعی و روحانی خوشحالی ایسے معاشرے کا مقدر ٹھہرتی ہے[3]۔

ابن خلدون کے خیال میں خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف ارباب حل و عقد کو ہے۔عوام کو رائے دینے کا حق نہیں، صرف ارباب حل و عقد اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔عوام پر خلیفہ کی اطاعت فرض ہے،انہیں اس کے تقرر سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ابن خلدون نے خلیفہ کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا حق بھی دیا ہے۔ابن خلدون نے خلیفہ کے لئے درج ذیل اوصاف و شرائط ضروری قرار دیئے ہیں: علم۔عدالت۔کفایت اعضاء و حواس کی سلامتی۔اور قریشی النسب ہونا۔[4]

ہر قوم اپنی سیاسی تاریخ کے چار مراحل سے ضرور گزرتی ہے۔پہلی پشت میں دیانہ خصوصیات زور پر ہوتی ہیں یعنی عصبیت کا غلبہ ہوتا ہے، جفاکشی اور محنت ہوتی ہے، حکومت مشاورت سے چلائی جاتی ہے۔ گویا جدید زبان میں

---

[1] ایضا

[2] ابن خلدون،المقدمہ(منشورات،بیروت سن ن۔م)،139,131,127,42,41

[3] ایضا: 91,89,53

[4] ایضا190,191

اسے جمہوریت کہا جاتا ہے۔ دوسری نسل میں حالات بدل جاتے ہیں۔ حضری طریقہ زندگی پروان چڑھتا ہے اور عصبیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ تیسری پشت آرام کی بنیاد پر سہل پسندی کے ذریعے عصبیت کو ختم کر دیتے ہیں تو چوتھی پشت ایک قوم مغلوب بن چکی ہوتی ہے۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حکومتی سطح پر ریاست پانچ مدارج سے گزرتی ہے۔ پہلا دور طاقت اور فتح و نصرت یا غلبے کا ہوتا ہے۔ دوسرا قوت بڑھنے سے خود سری آجاتی ہے۔ مشورہ قبول نہیں کیا جاتا۔ جمہوریت ختم ہو جاتی ہے۔ دور ثالث میں تعیش میں پڑ جاتی ہے، صرف رعب داب اور شان و شوکت سے کام چلایا جاتا ہے۔ چوتھے دور میں بادشاہ پرستی چھا جاتی ہے۔ وہ صرف گذشتہ کامیابیوں پر قناعت کر کے پر سکون رہتا ہے۔ پانچویں دور میں حکومت چاپلوس اور خوشامدی لوگوں کے ٹولہ کے رحم و کرم، دیمک زدہ اور پھر اس پر کوئی اور ملک قبضہ کر لیتا ہے۔[1]۔

خلیفہ و حاکم ریاست کے تمام افراد کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ جو زندگی کی حالت میں قوم کے مصالح پیش نظر رکھتا ہے تا ہے اور سوچ سمجھ کر آنے والے حالات کا ایسا انتظام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کا وصال ہو تو ملک و قوم میں انتشار اور ابتری نہ پیدا ہونے دے چنانچہ وہ اپنی زندگی ہی میں کسی ایسے شخص کو ولی عہد نامزد کر جاتا ہے جو اس کا صحیح جانشین ہونے کی اہمیت رکھتا ہو اور وہی فرائض انجام دے سکتا ہو، اور قوم کو بھی اس پر اسی طرح اعتماد ہو جس طرح موجود امام پر تھا۔

ابن خلدون کے نزدیک دین اسلام میں ولی عہدی اجماع سے ثابت ہے۔ کیونکہ صحابہ کی موجودگی میں صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا اور اسے تمام صحابہ نے بالاتفاق منظور فرمایا اور سب نے فاروق اعظم کی اطاعت اپنے اوپر واجب و لازم سمجھی اسی طرح فاروق اعظم نے عشرہ مبشرہ میں سے باقی رہ جانے والے چھ صحابہ کو مجلس شوری کے لیے بطور ارکان کے نامزد فرمایا اور انہیں امام چننے کا اختیار سونپ دیا پھر ان میں سے بھی تین نے اپنے اختیارات تین کے حوالے کر دیئے اور دست بردار ہو گئے۔ پھر ان تینوں نے عبدالرحمن بن عوف کو انتخاب خلیفہ کے لیے مان لیا چنانچہ عبدالرحمن بن عوف نے انتخاب امام کے لیے سر توڑ کوشش کی اور اس سلسلے میں تمام مسلمانوں سے فردا فردا مشورہ کیا اور سب کو علی و عثمان پر متفق پایا۔ آخر کار آپ نے بیعت کے لیے حضرت عثمان کو ترجیح دی کیونکہ عبدالرحمن حضرت عثمان کے معاملات میں بہ نسبت اپنے ذاتی اجتہاد کے صدیق و فاروق کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے الغرض بالاتفاق حضرت عثمان کو خلیفہ مان لیا گیا اور ان کی اطاعت لازم تسلیم کر لی گئی اس اجماع میں تمام وہ صحابہ موجود تھے جو بیعت صدیق و فاروق میں موجود تھے لیکن ان کے خلاف کسی نے لب کشائی نہیں کی جس سے

---

[1] ایضا398,395,990

معلوم ہوا کہ یہ سب آپ کی خلافت پر راضی اور متفق تھے اور اس کی صحت کے قائل تھے اور اصول کا یا ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ اجماع صحابہ حجت ہے۔

عہد خلافت راشدہ میں دینی زور:

خلافت راشدہ کا وہ مبارک زمانہ تھا جس میں ملک گیری کی ہوس نہ تھی اور ہر ایک میں، یہی جذبہ کار فرما تھا چنا نچہ انہوں نے اس کو خلیفہ چنا جس میں زیادہ سے زیادہ دینی جھلک دیکھی اور خواہش مند خلافت کو اس کے دینی جذبہ کے حوالے کر دیا پھر خلافت راشدہ کے ختم ہوتے ہی خلافت سلطنت سے بدل گئی۔ دینی جذبہ ٹھنڈا ہونے لگا۔ دلوں میں قومی جذبہ کروٹیں لینے لگا اور سلطانی اقتدار کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تا کہ قومی حمایت حاصل ہو۔ اگر اس جماعت کے تقاضہ کے خلاف کسی کو ولی عہد بنایا جاتا تو اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا اس پر بہت جلدی زوال آ جاتا، اسلامی اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا اور ملک میں ابتری پھیل جاتی۔

جب مامون نے علی بن موسیٰ بن جعفر صادق کو ولی عہد بنا دیا تو بنو عباس کے ارباب حل و عقد نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بیعت توڑ کر مامون کے چچا (ابراہیم بن مہدی) کی بیعت پر رضامند ہو گئے اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی حتی کہ لوٹ مار بھی شروع ہو گئی اور بلوؤں اور بغاوتوں کا دروازہ کھل گیا۔

الغرض ابن خلدون نے ولی عہدی پر مفصل بحث کر کے یہ اصول بتا دیا کہ حکومت کے انتخاب و عزل کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے اس کے بنیادی اصول خلفاء راشدین کے دور سے اخذ کئے جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ (1703ء۔1762ء)

دنیا میں بہت کم ایسے مصنفین ہیں جن کی تصنیفات زیادہ بھی ہوں اور اعلیٰ بھی ہوں۔ شاہ صاحب نے تقریباً ہر فن میں کتب تصنیف کی ہیں اور اس کا حق بھی ادا کیا ہے۔ لیکن یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف انھیں تصانیف کا ذکر کیا جائے گا جن کا موضوع سیاسیات ہے۔ اس سلسلے کی کتابوں میں حجۃ اللہ البالغہ کا نام سر فہرست ہے جس میں انسانی معاشرے کی ابتدا سے لے کہ کامل معاشرے تک کے مختلف مراحل سے بحث کی گئی ہے۔ پھر ان مختلف ادوار میں جو سیاسی تقاضے ہوتے ہیں۔ ان پر روشنی ڈال کر بادشاہ کے اوصاف و شرائط نیز خلافت کی ضرورت وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب ان کی تصانیف میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ سیاسیات پر دوسری قابل قدر کتاب الخیر الکثیر ہے جو مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ اس میں اسلامی ریاست کے اصول زیر بحث آتے ہیں۔ البدور البازغہ میں استمرار شریعت کے ساتھ بعض سیاسی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء میں بھی خلافت کے متعلق شاہ صاحب کے اہم افکار ملتے ہیں۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ خلافت اور خلفاء راشدین کی

حیثیت سے بحث ہوئی ہے۔اسی موضوع پر فارسی میں ایک کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین لکھی جس میں بعض سیاسی تصورات کی طرف اشارے ملتے ہیں ۔ حکومت کو خلافت ظاہرہ کا نام دیتے ہیں اور حکومت پیدا کرنے والی جماعت کو خلافت باطنہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گویا گورنمنٹ ان کے نزدیک خلافت ظاہرہ ہے اور پولیٹیکل پارٹی جو ارکان حکومت کو چنتی ہے وہ خلافت باطنہ ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں

"عونٌ خالَفَ هٰذِہِ الشَّرِیطَةَ فَقَدْ اِستَحقَّ الْعزلَ فَإنْ لَمْ یعزلْه الْإمام فَسدَ الْارتفاقَ"[1]

(امام کا جو بھی وزیر ان شرائط کی مخالفت کرے وہ عزل کا مستحق ہوگا۔ ورنہ فساد ارتفاق ہوگا۔)

اس اصول کے پیش نظر جو امام شرائط خلافت کی مخالفت کرے گا تو وہ مستحق عزل ہوگا۔

البدور البازغہ سے یہ صورتیں مستفاد ہوتی ہیں:

شاہ صاحب کے نزدیک خلیفہ کے انتخاب کی چار صورتیں ہیں :

1۔ قوم کے ارباب حل و عقد جن میں امراء، علما اور فوجی افسر شامل ہیں، بشرطیکہ ان کی اسلام اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی مسلم ہو، متفقہ طور پر کسی کو خلافت کے لیے چن لیں اور اس کی بیعت کر لیں۔اس کی مثال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہے۔

2-دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا سابقہ خلیفہ اس دار فانی سے رخصت ہوتے وقت کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی وصیت کرے۔اس کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی ہے۔

3-انتخاب کا ایک طریقہ شوریٰ ہے کہ چند سربرآوردہ اشخاص ارباب حل و عقد سے مشورہ کر کے کسی کو خلافت کے لیے نامزد کر دیں۔اس قبیل کی خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی۔

4۔ کوئی ایسا شخص جو شروط خلافت کا جامع ہو اپنی قوت بازو سے مسلمانوں پر تسلط جما لیے۔اس کی مثال اگرچہ شاہ صاحب نے نہیں دی صرف یہ لکھ کر آگے بڑھ گئے ہیں کہ خلافت نبوت کے بعد تاریخ میں اس کی مثالیں جستہ جستہ ملتی ہیں۔غالباً ان کے ذہن میں امیر معاویہؓ کی خلافت تھی، یہ نظریہ فارابی کے مدینۃ التقلب" سے بہت مماثلت رکھتا ہے لیکن شاہ ولی اللہ، فارابی کی طرح ہر طاقتور کو کمزوروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دینا چاہتے البتہ مستحق خلافت اور شرائط خلافت کے حامل افراد کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ امت کا اتحاد خطرے میں نہ پڑ جائے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد، البدور والبازغہ (یوپی انڈیا مدینہ۔ برقی پریس 1354ھ) ص 84

شاہ ولی اللہ اس امر میں ابن خلدون سے متفق ہیں کہ خلیفہ نائب الرسول ہوتا ہے اور اس کی حیثیت خلیفتہ اللہ کی نہیں ہوتی، وہ فرماتے ہیں کہ امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نائب ہوتا ہے۔ وہ آپ کے احکام کے اجرا اور تنفید کا ذریعہ ہے۔ اس لیے خلیفہ کی اطلاعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی کے مترادف ہے۔ وہ احادیث کی روشنی میں صرف ایک ہی صورت بتلاتے ہیں جب کہ امیر کی نافرمانی جائز بلکہ واجب ہو جاتی ہے وہ یہ کہ خلیفہ، اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف حکم دے۔ اس وقت عامتہ المسلمین پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ خلیفہ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیں ۔ خلافت کا انعقاد بوجہ ضرورت ہے اسلئے خلیفہ کو معزول نہ کریں گے کیونکہ اسے معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوں گی اور سخت فتنہ وفسالازم آئے گا اور پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ یقین کے ساتھ معلوم نہیں ان مصائب کا نتیجہ بہتر ہو گا یا نہیں (بلکہ احتمال ہے کہ (اس) پہلے (خلیفہ) سے بھی باتابد تر کوئی دوسر ملخص غالب آجائے پس ایک موہوم اور احتمالی مصلحت کے لئے ایسے فتنہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے جس کی برائی یقینی ہے۔[1]

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مسند خلافت پر متمکن ہو جائے جس میں شرائط خلافت معدوم ہوں تو اس وہم ہوں تو اس وقت بھی اس کی اطاعت سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ اس کو خلافت سے برطرف کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ جنگ وجدال ہے۔ ایسی صورت میں امت مسلمہ کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے مصالح پر مفاسد غالب آجائیں گے لیکن جب وہ خلیفہ دینی عقائد میں سے کسی عقیدہ کا انکار کر کے کفر کا مرتکب ہو تو اس وقت البتہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا جائز ہے بلکہ ایسی حالت میں مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کو مسند خلافت سے اُتار دیں کیوں کہ اس وقت وہ مصلحت کلیتہ مفقود ہو جاتی ہے جس کے حصول کے لیے خلیفہ کا تقرر عمل میں آتا ہے اور چونکہ اسی کو خلیفہ رہنے دینا سراسر فساد دین کا باعث ہو گا اس لیے اس کے خلاف جنگ، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

شاہ صاحب بادشاہ کو مشورہ کرنے کی شدید تاکید کرتے ہیں۔ بالخصوص کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے یا کسی سرکش کو سزا دینے سے قبل وہ بادشاہ کا ارکان شوری سے اس معاملے میں مبادلۂ خیالات کرنا بے حد ضروری سمجھتے ہیں۔ اس طرح وہ بڑی حد تک سلاطین کو مطلق العنانی کے خلاف ہیں۔ اگرچہ وہ اس امر کی وضاحت تو نہیں کرتے کہ مجلس شوری کے اراکین کون لوگ ہوں، شاید وہ اس چیز کو بادشاہ کی اصابت رائے پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں لیکن وہ عورتوں اور شاہی خاندان کے لوگوں سے مشورہ کرنے کے مخالف ہیں کیوں کہ میں دو گروہ سلطنت مغلیہ کی تباہی کا

---

[1] . شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد۔ ازالۃ الخفاء۔ (کراچی محمد سعید اینڈ سنز، 1969ء) ص 33۔35

باعث بنے تھے اور یہ تمام چیزیں شاہ ولی اللہ کی آنکھوں دیکھی تھیں۔ شاہ صاحب سلطان کو اراکین شوری سے مشوروں کے خلاف کرنے کا حق بھی دیتے ہیں جیسے ہم دور جدید کی اصطلاح یں حقانی کہ سکتے ہیں۔اس لیے ہیں وہ حرت اور کرا کے طرز عمل سے استدلال کرتے ہیں۔

الغرض شاہ صاحب کے نزدیک اہل حل وعقد نااہل حکومت کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسری حکومت کا قیام کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال :(1877ء–1938ء)

علامہ اقبال نہ صرف پاکستان بلکہ پورے ہندوستان کیلئے سیاسی لیڈر کی حیثیت رکھتے تھے۔انہیں ایک عظیم سیاسی مفکر کہا جا سکتا ہے۔وہ قانون کے احترام پر بہت زور دیتے تھے۔ان کو دوسرے ملکوں میں بھی سیاسی مفکر کے طور پر جانا جاتا تھا۔علامہ اقبال روحانی جمہوریت کے قائل تھے۔وہ روحانی جمہوریت کو خلفاء راشدین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مغربی جمہوریت کے وہ سخت مخالف تھے۔ان کے سیاسی نظریات قرآن وحدیث کے مطابق تھے۔وہ تمام سیاسی اصولوں کو مذہب کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔

اقبال اور حکومت کی تبدیلی:

اگر خلیفہ اسلام کے قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتا تو اسے معزول کیا ج سکتا ہے۔علامہ اقبال 1908ء میں اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں جو کہ لندن میں شائعہ ہوا۔

> "If the Caliph does not rule according to the law of Islam, or suffers from physical or mental infirmity, the Caliphate is forfeited. Usually one influential Muhammadan stands up in the mosque after the prayer and speaks to the congregation giving reasons for the proposed deposition. He declares deposition to be in the interest of Islam and ends his speech by throwing away his finger-ring with the remarks: "I reject the caliph as I throw away this ring." The people then signify their assent in various ways and the deposition is complete."[1]

(اگر خلیفہ اسلام کے قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتا، یا جسمانی یا ذہنی اذیت کا شکار ہوتا تو اسے معزول کیا جائے۔ عام طور پر ایک بااثر محمدی نماز کے بعد مسجد میں کھڑا ہوتا ہے اور مجوزہ معزولی کی وجوہات بتاتے ہوئے جماعت سے بات کرتا ہے۔اس نے عہدہ چھوڑنے کو اسلام کے مفاد میں قرار دیا اور اپنی انگلی کی انگوٹھی کو اس ریمارکس کے ساتھ پھینک کر اپنی تقریر ختم کی "میں

[1] Hashimy, S. Y. Islam as an Ethical and a Political Ideal: Iqbal's maiden English lecture, (Lahore: Orientalia, 1955), pp. 53-101.

خلیفہ کو رد کرتا ہوں کیونکہ میں اس انگوٹھی کو پھینکتا ہوں۔"اس کے بعد لوگ مختلف طریقوں سے اپنی رضامندی ظاہر کرتے ہیں اور بیان مکمل ہو جاتا ہے۔)

الغرض علامہ اقبال نے خلیفہ کو عام شخص کی طرح قانون کے تابع قرار دیا اور خلاف ورزی کرنے پر معزول کرنے کا اختیار دیا۔ اسلام کا خلیفہ کوئی معصوم وجود نہیں ہے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی اسی قانون کے تابع ہے۔ وہ عوام کے ذریعے منتخب کیا جائے، قانون کی عمل داری نہ ہو تو ہٹا دیا جائے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی: (1903ء– 1979ء)

ان کے نزدیک عوام کے پاس خلفاء کے اختیار ہوتے ہیں۔ اس ملک کا ہر فرد خلیفہ تصّور کیا جائے اسلئے کہ جسکو خلیفہ بنایا جاتا ہے اسکی دو جہت ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ اپنے تمام اعمال کا اللہ رب العزت کے حضور جواب دہ ہوتا ہے اور دوسری جہت سے وہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے جنہوں نے اسے اپنے اوپر اختیار کے لئے تعین کیا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک خلیفہ کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں۔ اگر وہ کسی جرم کا ارتکاب کرے گا تو عام عوام کی طرح عدالتی کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔ اسے کسی قسم کا نجی یا سیاسی استثنیٰ حاصل نہیں ہو گا۔

"امیر تنقید سے بالاتر نہ ہو گا۔ ہر عامی مسلمان اس کے پبلک کاموں بھی پر نہیں بلکہ اس کی پرائیویٹ زندگی پر بھی نکتہ چینی کرنے کا مجاز ہو گا۔ وہ قابل عزل ہو گا۔ قانون کی نگاہ میں اس کی حیثیت عام شہریوں کے برابر ہو گی اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکے گا اور وہ عدالت میں کسی امتیازی برتاؤ کا مستحق نہ ہو گا۔ امیر کو مشورہ کے ساتھ کام کرنا ہو گا۔ مجلس شوریٰ ایسی ہو گی جسے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہو۔ اس امر میں بھی کوئی مانع شرعی نہیں ہے کہ اس مجلس کو مسلمانوں کے دوٹوں سے منتخب کیا جائے۔ ہر صورت میں عامہ مسلمین اس بات پر نظر رکھیں گے کہ امیر اپنے ان وسیع اختیارات کو تقویٰ اور خوف خدا کے ساتھ استعمال کرتا ہے یا نفسانیت کے ساتھ؟ بصورت دیگر رائے عام اس امیر کو مسند امارت سے نیچے بھی اتار لا سکتی ہے۔"[1]

مولانا مودودی صاحب کے نزدیک عوام حکومت پر نظر رکھیں گے۔ قابل تنقید اعمال پر اس کی اصلاح کریں گے اور اگر اس میں کوئی کمی دیکھیں جسکی اصلاح ممکن نہیں تو اسے اس کے منصب سے اتار دیا جائے گا۔ خلیفہ و حکومت کا انتخاب ان کی مرضی سے ہو اور ان کی حکومت، عوام کی مرضی تک رہے گی ورنہ اسکو معزول و تبدیل کر دیا جائے گا ۔ عوام کو تمام معاملات میں مکمل آزادی حاصل ہو۔ ان کی رائے کا احترام کیا جائے۔ عوامی رائے کے برعکس زبردستی عوام پر مسلط ہونا درست نہیں ہے۔ عوام جب چاہیں اپنے امیر کو بدل سکتے ہیں۔ یہ تمام معاملات شوریٰ کے ذریعے کئے

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست، (519,526,527,565,

جائیں۔۔ قیام پاکستان کے بعد نئی ریاست کی نظریاتی بنیادوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔اور اس کام کے لئے دن رات محنت کی۔

محمد اسد: (1900ء۔1992ء)

یہودیت چھوڑ کو اسلام قبول کرنے والے محمد اسد (سابق نام: لیوپولڈ ویز) جولائی 1900ء میں موجودہ یوکرین کے شہر لیویو میں پیدا ہوئے جو اس وقت آسٹرو۔ ہنگرین سلطنت کا حصہ تھا۔ بیسویں صدی میں امت اسلامیہ کے علمی افق کو جن ستاروں نے تابناک کیا ان میں جرمن نو مسلم محمد اسد کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ اسد کی پیدائش ایک یہودی گھرانے میں ہوئی۔ 23 سال کی عمر میں ایک نو عمر صحافی کی حیثیت سے عرب دنیا میں تین سال گزارے اور اس تاریخی علاقے کے بدلتے ہوئے حالات کی عکاسی کے ذریعے بڑا نام پایا لیکن اس سے بڑا انعام ایمان کی دولت کی بازیافت کی شکل میں ان کی زندگی کا حاصل بن گیا۔ ستمبر 1926ء میں جرمنی کے مشہور خیری برادران میں سے بڑے بھائی عبدالجبار خیری کے دست شفقت پر قبول اسلام کی بیعت کی اور پھر آخری سانس تک اللہ سے وفاکا رشتہ نبھاتے ہوئے اسلامی فکر کی تشکیل اور دعوت میں 66 سال صرف کر کے بالآخر 1992ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان آگئے اور نئی ریاست کی نظریاتی بنیادوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ انھیں پہلا پاکستانی پاسپورٹ جاری کیا گیا۔ بعد ازاں انھیں پاکستان کی وزارت خارجہ کے شعبہ مشرق وسطی میں منتقل کر دیا گیا جہاں انھوں نے دیگر مسلم ممالک سے پاکستان کے تعلقات مضبوط کرنے کا کام بخوبی انجام دیا۔ انھوں نے 1952ء تک اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے سفیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ان کے کام کی اہم پہلو دور جدید میں اسلام کے اطلاق اور نفاذ کے سلسلے میں ان کی حکمت عملی اور اس سلسلے میں تحریک پاکستان سے ان کی وابستگی اور پاکستان کے بارے میں ان کا وژن اور عملی کوششیں ہیں جو قومی تعمیر نو کے ادارے "عرفات" کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی نگارشات، ان کی تقاریر اور پھر ان کی دو کتب Islam at the Crossroads اور Road to Mecca ہیں۔ عرفات کے زمانے میں یہ مضامین دور حاضر میں نفاذ اسلام کا وژن اور اس کے لیے واضح حکمت عملی پیش کرتے ہیں۔

مولانا اسد کے نزدیک حکومت کو معزول کرنے کے لئے ایک اعلی ٹریبونل بنا یا جائے۔ ان کے نزدیک مسلمان اختیار رکھتے ہیں کہ وہ خلاف شریعت احکام کی فرمانبرداری نہ کریں اور اگر اس کی روش صریح کفر کی سی ہو جائے تو اسے معزول کر دیں۔ وہ لکھتے ہیں

> "It would fall within the purview of the tribunal to order the holding of a popular referendum on the question of the amir's deposition from office if an impeachment is preferred against him to the effect that he governs in deliberate opposition to Islamic Law. If, by means of such a

referendum, the majority of the community pronounce themselves against the amir, he must be regarded as having been legally deposed, whereupon the people's pledge of allegiance to him ceases to be effective.

Thus, the citizens' duty to watch over the activities of the government, and their right to criticize it and. in the last resort to depose it, should on no account be confused with a (non- existent) right to rebellion by an individual or a group of individuals. It is only by an open verdict of the majority within the community that an established Muslim government may be removed from power-by peaceful means if possible, and by force if necessary."[1]

(اگر کسی امیر کے خلاف یہ الزام عائد ہو کہ وہ عمداً شریعت اسلام کے خلاف حکومت کا کاروبار چلا رہا ہے تو یہ بھی ٹربیونل ہی کا کام ہو گا کہ اس امیر کے عزل پر استصواب رائے عامہ کا انتظام کرے۔ اگر استصواب میں ملت کی اکثریت امیر کے خلاف رائے دے تو ازروئے آئین اسے معزول سمجھنا چاہیے۔ ساتھ ہی عوام کا حلف اطاعت کالعدم ہو جائے گا۔ یوں حکومت کے کاروبار پر شہریوں کی نگرانی، نکتہ چینی کے حق اور عزل کو حق بغاوت سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے جو قطعاً موجود نہیں۔ صرف امت کی اکثریت کے فیصلے کے مطابق قائم شدہ اسلامی حکومت اختیار سے محروم کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہو تو پر امن ذرائع سے یہ کام انجام دیا جائے ضرورت پیش آجائے تو قوت بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔)

مولانا اسد کے نزدیک حکومت کو معزول کرنے کرنے کے لے ایک اعلی تربیونل بنایا جائے۔ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اختیار دے دیا ہے وہ حکومت کے خلاف شریعت احکام کی فرمانبرداری نہ کریں اور اگر اس کی روش صریح کفر کی سی ہو جائے تو اسے معزول کر دیں، لیکن قرآن وسنت نے جماعتی اتحاد کے اصول پر بڑا زور دیا ہے۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے یہ معاملہ انفرادی شہریوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا کہ کب امیر کی فرمانبرداری کو ختم کرنا مذہبی اور شہری حق ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے فیصلے ملت بہ حیثیت مجموعی ہی کر سکتی ہے یا مناسب طریق پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے سے یہ فیصلہ کرایا جا سکتا ہے۔ اس حکومت کی معزولی کے بعد شوریٰ نئی حکومت کا انتخاب کرے گی۔ اس کا انتخاب اہل حل وعقد کریں جو عوامی نمائندہ کے طور پر اس کام کو سرانجام دیں۔

[1] Asad, Muhammad. The Principles of State and Government in Islam. Los Angeles: University of California Press, 1961,p80-81

مولانا امین احسن اصلاحی :(1904ء—1997ء)

امین احسن اصلاحی اعظم گڑھ یوپی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ مدرسہ فراہی کے ایک جلیل القدر عالم دین، مفسر قرآن اور ممتاز ریسرچ سکالر تھے آپ امام حمید الدین فراہی کے آخری عمر کے تلمیذ خاص اور ان کے افکار و نظریات کے ارتقا کی پہلی کرن ثابت ہوئے۔ 1941ء میں جماعت اسلامی کے بانی اراکین میں شامل ہو گئے۔اس کے بعد ان کی زندگی کی اگلی دو دہائیاں جماعت اسلامی کی نذر ہو گئیں۔اس عرصے میں وہ جماعت کی مجلس شوریٰ کے رکن اور نائب امیر بھی رہے۔ جماعت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے وہ ہجرت کر کے لاہور آ گئے، لیکن پروردگار کو ان سے کوئی اور کام لینا مقصود تھا۔ چنانچہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ جماعت اسلامی سے ان کا تعلق ختم ہو گیا اور وہ قرآن مجید پر غور و فکر اور تدبر کے لیے بالکل یک سو ہو گئے۔

امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب اسلامی ریاست میں لکھا ہے کہ حکومت کو منتخب کرنے والے اسے کسی وقت بھی معزول کر سکتے ہیں۔

> ""اگر آج خلیفہ کا انتخاب ہو اور کل اس کے منتخبین شخص اس منصب سے نااہلیت والا کام دیکھیں ہے تو وہ اس کو معزول کر سکتے ہیں۔ کم از کم قانون میں اس معزولی کو روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔"[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک خلیفہ منتخب کرنے والی شوریٰ معزول کر کے دوسرے کو کسی وقت بھی خلیفہ بنا سکتی ہے۔

وہ صدارتی نظام پر سخت تنقید کرتے ہیں ۔ان کے نزدیک صدارتی نظام میں ایک مرتبہ صدر کے منتخب ہو جانے کے بعد اس کی مقررہ مدت صدارت تک جو آزادی و بے قیدی اور غیر مسئولیت اس کے لیے تسلیم کر لی گئی ہے اسلام اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کرتا۔اسلام خلیفہ کے لیے اس قسم کی غیر مسئولیت ایک لمحہ کے لیے بھی جائز تسلیم نہیں کرتا۔[2]

صدارتی نظام میں صدر جب ایک مرتبہ صدر بن گیا تو اس کے عہدہ کی مدت کے اندر کوئی اس کو اسکی جگہ سے ہلا نہیں سکتا، اگرچہ ملک کا ایک ایک ووٹر مطالبہ کر رہا ہو کہ اس کو ہٹایا جائے۔ مجلس قانون ساز اس کے غلط سے غلط اقدام پر بھی کوئی گرفت کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ صرف راستے میں کچھ رکاوٹیں پیدا کر دے اور اڑنگے ڈالے لیکن ان رکاوٹوں اور اڑنگوں سے صدر کی مطلق العنانی میں تو مشکل ہی سے کوئی فرق پیدا ہوتا ہے، البتہ ملک کی سیاسی زندگی میں

---

[1]،اصلاحی۔ مولانا امین احسن،اسلامی ریاست، (لاہور ادارہ التذکیر، 2002) 47,48 .

[2] ایضا

بہت سی ناہمواریاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔اس لئے یہ نظام اسلامی اصولوں کے خلاف ہے جو کہ سربراہ مملکت کو احتساب کے لئے ہر وقت پیش کرتا ہے۔

الغرض اصلاحی صاحب کے نزدیک حکومت کا انتخاب کرنے والے اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتے ہیں،اور وہ یہ اختیار کسی بھی وقت استعمال کر سکتے ہیں اگرچہ حکومت کے قیام کا دوسرا دن ہی کیوں نہ ہو۔اس کی جگہ دوسری حکومت کا انتخاب کیا جائے گا۔ دوسری حکومت کا انتخاب اہل حل و عقد اسلامی شوریٰ کے فیصلے کے مطابق کریں گے۔اس طرح ایک حکومت جو کہ نااہل ہو چکی ہے اس کو پرامن طریقے سے تبدیل کیا جا سکتا ہے اور باصلاحیت حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔

جاوید احمد غامدی:

جاوید احمد غامدی کی پیدائش 18 اپریل 1951ء کو ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں جیون شاہ کے نواح میں ہوئی۔ دینی علوم قدیم طریقے کے مطابق مختلف اساتذہ سے پڑھے۔ قرآن و حدیث کے علوم و معارف میں برسوں مدرسۂ فراہی کے جلیل القدر عالم اور محقق امین احسن اصلاحی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ دانش سرا، المورد، ماہنامہ اشراق، کے بانی اور برہان، میزان، البیان، اشراق اور خیال و خامہ کے مصنف ہیں۔ غامدی صاحب انتہائی بے باک شخصیت کے مالک ہیں، اپنی فکر و دانش کے پرچار میں کسی چھوٹی بڑی ہستی سے مرعوب و متاثر نہیں ہوتے، وہ جو کچھ جب کبھی جیسا کیسا کہنا چاہیں اپنے سامنے کسی چھوٹی بڑی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتے، ہر تنگ و پر خطر گھاٹی سے بے خوف و خطر گزر جاتے ہیں۔

غامدی صاحب کے نزدیک اسلامی ریاست میں شوریٰ ایک اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔وہ اسے جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں ان کے نزدیک جمہوریت سے مراد لوگوں کے مشورے کو ریاست کے تمام شعبہ جات میں مقدم کیا جائے۔ حکومت کا انتخاب اور معزول ہونا عوام کے مشورے سے ہو۔ تمام انتظامی امور ان کے مشورے سے طے پائیں اور قوانین بھی انہی کے مشورے سے بنائے جائیں۔اسی طرح دوسرے ممالک سے تعلقات عوام کے مشورے سے قائم کئے جائیں۔الغرض ان کے نزدیک اندرونی و بیرونی ہر قسم کے تعلقات و معاملات ان کے مشورے سے طے پائیں۔

غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ

> "جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے نظم اجتماعی کے تمام معاملات اُن کے آپس کے مشورے سے طے ہوں۔ حکومت اُن کی رائے سے قائم ہو اور اُن کی رائے سے ختم ہو۔ نظم و نسق اُن کے مشورے سے وجود میں آئے اور مشورے سے تبدیل ہو۔ آئین اور قانون سازی میں اُنھی کی رائے کو حاکمیت حاصل ہو۔ داخلی اور

خارجی پالیسیاں انھی کے منشا کے مطابق تشکیل دی جائیں۔ گویا قومی اور بین الاقوامی سطح کے تمام سیاسی معاملات میں اُنھی کی راے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو[1]۔"

غامدی صاحب کے نزدیک مشورے کو بنیاد قرار دیا ہے ۔غامدی صاحب جمہوریت کے شورائیت کے اصول کے تقاضے یہ بیان کرتے ہیں۔

1) حکومت کے انتخاب اور اسکو چلانا عوام کی رائے پر منحصر ہو۔ کسی بھی فرد یا جماعت کو زبردستی مسلط نہیں کیا جانا چاہیے۔

2) ملک کے مرکزی ادارے جن میں مجلس قانون ساز، عدالتیں اور انتظامی امور کی مجلس عوام کی رائے کے مطابق قائم کیے جائیں اور ان کی رائے کے مطابق چلائے جائیں۔

3) ملک کے اندرونی اور بیرونی تعلقات عوام کی رائے کے مطابق رکھے جائیں۔ان کے تمام اصول عوام کی مشاورت سے ہوں۔

4) عوام کی مشاورت میں سب کی نمائندگی برابر ہو۔ہر ایک کو برابر حق ہو کہ اپنا مشورہ اور رائے دے سکیں یا ان کے منتخب شدہ ممبران کے ذریعے ان کی رائے شامل کی جائے۔

5) ان سے زبردستی کسی اصول پر عمل نہ کرایا جائے۔ یہ آمرانہ سوچ ہے جسکی کسی سطح پر کوئی گنجائش نہیں ہے۔اگر عوام غلطی پر ہوں تو زبردستی کے بجائے ان کی ذہن سازی کی جائے اور ان کی اصلاح کی جائے[2]۔

ان کے نزدیک اگر کسی ملک کے قوانین اُن کے دین پر عمل پیرا ہونے یا ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے میں رکاوٹ ہوں تو راے عامہ کو ہموار کرنے اور نظم حکومت میں تبدیلی کے لیے صرف اور صرف جمہوری طریقے اختیار کریں۔[3]

غامدی صاحب نے مشاورت کو ہر معاملہ میں لازمی قرار دیا ہے۔ان کے خیال میں حکومت کو شوریٰ کے ذریعے معزول کیا جاسکتا ہے۔اور شوریٰ کے ذریعے ہی نئی حکومت کو بنایا جاسکتا ہے۔

اس سے تمام مفکرین کے نزدیک اہل و عقد کا فیصلہ ریاست کے تمام شعبہ جات نافذ عمل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ حکومت کی پرامن تبدیلی میں بھی ان کی مشاورت سے کی جائے گی۔

---

[1] غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور المورد 493,2009

[2] غامدی، جاوید احمد، مقامات، المورد لاہور 208-212,2010

[3] ایضا

باب چہارم

اسلامی سیاسیات میں حکومت کی تبدیلی کا دور حاضر میں طریقہ کار

فصل اول: حکومتی تبدیلی کے مروجہ طریقوں کا جائزہ

فصل دوم: دور حاضر میں حکومت کی تبدیلی کا اسلامی فکر کی روشنی میں لائحہ عمل

فصل اول

حکومتی تبدیلی کے مروجہ طریقوں کا جائزہ

اس وقت دنیا میں مروجہ تمام نظام صدارتی، نیم صدارتی، پارلیمانی نظام وغیرہ مقررہ مدت کے اختتام سے قبل از وقت حکومت کو تبدیل کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ پارلیمنٹ کے اندر، یا پارلیمنٹ (حزب اختلاف) اور حکومت کے درمیان عوام سے اپیل کر کے تعطل کو توڑنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہر ملک میں آئینی قوانین پر منحصر ہے، تاہم، جن حالات میں قبل از وقت تبدیلی جائز ہے وہ کافی حد تک مختلف ہو سکتے ہیں۔ کچھ آئینوں میں تبدیلی کی تقریباً غیر متزلزل طاقت موجود ہے، جبکہ دیگر میں تبدیلی کی طاقت بہت محدود ہے اور صرف مخصوص صورتوں میں استعمال کی جاسکتی ہے۔

تحریک عدم اعتماد

تحریک عدم اعتماد ایوان میں ایسی ووٹنگ کو کہتے ہیں جو کسی ریاستی یا حکومتی عہدے پر فائز فرد کے مخالف کی جاتی ہے۔ وہ عہدار اپنے حلف کی خلاف ورزی کرتا ہے، آئین، قانون، کسی جرم یا اخلاقیات کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس میں خاص طور پر وزیر اعظم، اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر، وزیر اعلیٰ، صوبائی اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر شامل ہوتے ہیں۔ ملکی سالمیت کے خلاف عمل ہو تو اس پر بھی یہ ووٹنگ ہوتی ہے۔

پاکستان میں برطانوی طرز عمل کا پارلیمانی نظام ہے جسے ویسٹ منسٹر نظام بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں پارلیمان کے اندر 'اجتماعی ذمہ داری' کی اصطلاح بہت اہمیت کی حامل ہے۔ کونسل آف منسٹر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے اعتماد کے ساتھ پارلیمان کا اعتماد بھی بحال رکھیں۔ اگر وزیر اعظم ایوان کا اعتماد کھو بیٹھے تو اسے استعفیٰ دینا پڑتا ہے جس کے نتیجے میں حکومت گر جاتی ہے۔ اجتماعی ذمہ داری کو ناپنے کے طریقہ کار کو 'نو کانفیڈنس' یعنی عدم اعتماد کہا جاتا ہے۔ اپوزیشن کی جماعت یا جماعتیں سپیکر پارلیمنٹ کو عدم اعتماد کے لیے تحریک پیش کرتی۔

تحریک عدم اعتماد کا طریقہ:

تحریک عدم اعتماد ایوان میں موجود ممبران میں سے کوئی پیش کر سکتا ہے۔ مگر عموماً اپوزیشن اس کو جمع کراتی ہے۔ اس کے بعد پارلیمنٹ کے ممبران اپنا اپنا ووٹ دیتے ہیں۔ جب وزیر اعظم پر عدم اعتماد ہو تو سب سے پہلے ایک درخواست دی جاتی ہے، جس میں ممبران اسمبلی جو عدم اعتماد کرتے ہیں کے دستخط ہونے ضروری ہیں۔ پاکستان کے

آئین کے مطابق ان کی کم از کم تعداد 20 فی صد ہے۔ جب درخواست پیش ہو جائے تو اسپیکر پر لازم ہے کہ وہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلائے۔ اس پر لازم ہے کہ 14 دن کے اندر اس کا اجلاس طلب کرے۔ یہ آئین کی شق 54 میں درج ہے۔

آئین کی شق 95 میں اس کی تفصیل درج ہے۔ اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ جب اسپیکر اجلاس طلب کرے گا تو یہ ایک قرارداد کی صورت میں ایوان کے اراکین کے سامنے رکھی جائے گی۔ جب قرارداد پیش ہو جائے تو آئین کے مطابق ووٹنگ کا وقت مقرر ہے۔ اس سے کم یا زیادہ نہیں کیا جا سکتا ہے اور اسپیکر پر لازم ہے کہ اسی وقت کے اندر ممبران سے ووٹنگ کرانے اور اس کی مدت قرارداد پیش ہونے کے بعد 3 دن اور 7 دن کے درمیان ہے یعنی نہ تو تین دن سے کم ہوں اور نہ ہی سات دن سے زیادہ ہوں۔ وزیر اعظم پر جب عدم اعتماد کی ووٹنگ ہو گی تو یہ خُفیہ نہیں ہو گی بلکہ سب کے سامنے ہو گی۔ اس کے لئے پہلے سب لوگوں کو جمع ہونے کا کہا جاتا ہے اور پھر گھنٹی کے ذریعے انہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ اسمبلی ہال کے باہر اگر کوئی ممبر ہے تو وہ ہال کے اندر آ جائے۔ جب تمام اراکین اندر آ جائیں تو اس کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر ممبران کی ووٹنگ کا عمل شروع کیا جاتا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ ممبران کو دو مختلف راستوں سے باہر جانے کا کہا جاتا ہے۔ جب ممبران باہر جا رہے ہوتے ہیں تو پارلیمنٹ کا عملہ اُن کو شمار کرتا ہے۔ اس طرح ووٹنگ کا عمل پورا ہو جاتا ہے اور عدم تحریک کے حق اور مخالف دونوں کی گنتی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تمام ممبران نتیجے کے لئے ہال میں آ جاتے ہیں اور اسپیکر سب کے سامنے انکی تعداد بتاتا ہے اور حتمی طور پر فیصلہ سناتا ہے کہ تحریک عدم اعتماد کامیاب ہو چکی ہے یا ناکام ہوئی ہے۔

اگر عدم اعتماد کرنے والے ممبران کی تعداد زیادہ ہو تو یہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ تحریک عدم اعتماد کی کامیابی پر اسکا تحریری طور پر مرتب کیا جاتا ہے۔ اسکو ملک کے صدر کی طرف ارسال کیا جاتا ہے اور پھر قومی اسمبلی کا سیکرٹری اسکا نوٹیفکیشن جاری کرتا ہے۔

اسپیکر حزبِ اختلاف کو حکومت بنانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے دوران اور کامیابی کے بعد وزیرِ اعظم اسمبلیاں ختم نہیں کر سکتا۔ اس طرح وزیرِ اعظم کو معزول کر دیا جاتا ہے جسکے ساتھ اسکی کابینہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح حکومت کی تبدیلی کی جاتی ہے۔ پارلیمان نظام میں اس مروجہ طریقے سے حکومت کی تبدیلی عمل میں لائی جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار ہم نے پاکستان کے آئین کے مطابق پیش کیا ہے۔[1]

---

[1] The Constitution Of The Islamic Republic Of Pakistan,As amended upto the 25th Amendment, 31st May, 2018 Modified: 10/5/18, 5:34:51 PM https://senate.gov.pk/uploads/documents/Constitution%20of%20Pakistan%20(25th%20amendment%20incoporated).pdf(2/1/2024)

فلور کراسنگ کی شق:

کسی منتخب رکن کا اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کے حق میں ووٹ دینا فلور کراسنگ تصور ہوتا ہے۔ برطانیہ میں فلور کراسنگ کو غیر اخلاقی عمل تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے کوئی قانونی نتائج نہیں ہوتے۔ آپ ان اراکینِ اسمبلی پر دباؤ ڈال سکتے ہیں کہ وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں لیکن ان کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کر سکتے۔ پاکستان کی آئینی تاریخ 1973 کے آئین میں انحراف کرنے والے اراکین کے بارے میں شروع میں کوئی واضح شِق نہیں تھی۔ 1997 میں چودھویں ترمیم کے تحت سیاسی جماعت سے انحراف کرنے کے حوالے سے شِق 63اے آئین کا حصہ بنائی گئی۔اس شِق کے تحت کسی بھی سیاسی جماعت کے رکن کے خلاف پارٹی کے خلاف ووٹ کرنے پر ڈسپلنری ایکشن ہو سکتا ہے۔ [1]

بہت سارے ممالک میں تحریکِ عدم اعتماد کو محدود رکھا گیا ہے۔اسکو چھ ماہ میں صرف ایک دفعہ پیش کیا جا سکتا ہے یا بعض جگہ تین ماہ میں۔ ویسٹ منسٹر سسٹم میں گورنمنٹ جب بجٹ پیش کرتی ہے تو یہ اس کے لئے عدم اعتماد کا ووٹ بھی شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے اگر موجودہ حکومت بجٹ پاس کروانے میں ناکام ہو جائے تو حکومت معزول ہو جاتی ہے۔

آسٹریلیا میں اکثریت پر اسکی کامیابی کا اعلان کیا جاتا ہے۔[2]

بنگلادیش میں تحریک عدم اعتماد کی آئین میں اجازت نہیں ہے۔

کینیڈا میں حکومت کا کوئی بھی بل پاس نہ ہو تو اسے عدم اعتماد تصور کیا جاتا ہے اور حکومت ختم ہو جاتی ہے۔ کینیڈا میں عدم اعتماد کی کامیابی کے بعد وزیرِ اعظم استعفیٰ دیتا ہے یا گورنر جنرل کو پارلیمنٹ ختم کرنے کی اور نئے الیکشن کرانے کی درخواست کرتا ہے۔اگر گورنر جنرل درخواست قبول نہ کرے (اگر نئے الیکشن ہوئے ہیں) تو حزبِ اختلاف کو حکومت سازی کی دعوت دیتا ہے۔(آسٹریلیا میں عدم اعتماد کیلئے ۵۰٪ سے زیادہ ووٹ ضروری ہیں)۔

---

[1] سحر، تحریک عدم اعتماد: کیا ارکانِ اسمبلی کو پارٹی کے خلاف ووٹ دینے سے روکا جا سکتا ہے؟،(بی بی سی اردو ڈاٹ کام، اسلام آباد) 11 مارچ , بلوچ 2022 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-60699244(11/1012023)،

[2] Australia's Constitution, Parliamentary Education Office and AustralianGovernmentSolicitor,Canberra,2023, 9/11/23, 11:33:22 AM https://www.aph.gov.au//media/05_About_Parliament/52_Sen/523_PPP/2023_Australian_Constitution.pdf?la=en&hash=D9117474455DBD5DDAA61E699329B64A598291C1(27/7/2023)

ڈنمارک میں عدم اعتماد کی کامیابی کیلئے سادہ اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہاں عدم اعتماد بہت کم ہوتی ہے۔اسلئے کہ وہ اس کے پیش ہونے سے پہلے استعفیٰ دے دیتے ہیں یا نئے الیکشن کروائے جاتے ہیں۔ صرف تین دفعہ پیش کی گئی 1947،1909اور 1975۔

گریس میں چھ ماہ سے پہلے دوسری عدم اعتماد پیش نہیں کی جاسکتی۔ 1/5 ممبران کے دستخط ہوں تو پیش ہو سکتی ہے۔

اٹلی میں 10٪ ممبران کے دستخط سے عدم اعتماد پیش کی جاسکتی ہے۔اٹلی میں عدم اعتماد بہت کم ہے کہ وزیرِ اعظم پہلے ہے استعفیٰ دے دیتا ہے۔اٹلی میں تین دن کے اندر ووٹنگ ضروری ہے۔

جاپان میں عدم اعتماد کے پیش ہونے کے بعد کابینہ کا مستعفی ہونا ضروری ہے۔عدم اعتماد پاس ہو یا فیل ہو۔

ساؤتھ افریقہ میں اوپن ووٹنگ نہیں ہوتی۔

سپین میں 10٪ ممبران پیش کریں اور تعمیر عدم اعتماد ہے یعنی اگر عدم اعتماد کامیاب ہو تو متبادل وزیرِاعظم کا نام موجود ہو۔اسلئے عدم اعتماد پیش کرتے ہوئے متبادل وزیرِاعظم کا نام دینا ضروری ہے۔جب عدم اعتماد پیش ہو جائے تو استعفیٰ نہیں دے سکتے اور نہ ہی اسمبلیاں تحلیل کر سکتے ہیں۔

سویڈن میں 35 ممبران کے دستخط ضروری ہیں۔50% کی تعداد کامیابی کیلئے ضروری ہے۔_

برطانیہ میں ویسٹ منسٹر سسٹم ہے۔ برطانیہ میں کسی بھی سپلائی بل کے پاس نہ ہونے پر عدم اعتماد کامیاب ہو جائے گی۔وزیرِاعظم اور حکومت معزول ہو جائے گی اب وہ استعفیٰ دے یا پھر نئے انتخابات کروائے۔

تحریک عدم اعتماد کی تاریخ:

عالمی پارلیمانی تاریخ کی پہلی تحریک عدم اعتماد 1782ء میں برطانیہ میں وزیراعظم لارڈ نارتھ کے خلاف پیش کی گئی تھی جب 1781 میں امریکہ اور اس کے اتحادی فرانس نے برطانوی افواج کو یارک ٹاؤن محاصرے میں شکست سے دوچار کیا تھا، برطانوی شکست نے قانون سازوں کو قائل کیا کہ وہ وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد منظور کرا کے انہیں گھر بھیج دیں۔اسی طرح بھارت میں بھی بھارتی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں یعنی لوک سبھا میں آزادی سے لے کر کے آج تک کل 27 مرتبہ عدم اعتماد کی تحریک آزمائی جاچکی ہے۔ تین منتخب وزرائے اعظم وشوناتھ پرتاپ سنگھ، ایچ ڈی گوڑا اور اٹل بہاری واجپائی کو عدم اعتماد کے خلاف مطلوبہ ووٹ نہ حاصل کر سکنے پر معزول کر دیا گیا۔بھارت میں عدم اعتماد کی اہمیت 1970 کی دہائی میں بڑھنا شروع ہوئی، یہ وہ وقت تھا جب نت نئی پارٹیاں وجود میں آرہی تھیں اور ذات پات، لسانی یا علاقائی بنیادوں پر اپنا اثر رسوخ قائم کر رہی تھیں۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں تحریک عدم اعتماد صرف ایک دفع وزیراعظم عمران خان کے خلاف ک10 اپریل 2022کامیاب ہوئی، اس سے پہلے وزیراعظم بے نظیر بھٹو شہید کے خلاف 1989ء میں پیش کردہ تحریک عدم اعتماد کو کامیاب بنانے کیلئے اپوزیشن نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی، آخرکار پاکستان کی پارلیمانی تاریخ کی پہلی تحریک عدم اعتماد ناکامی سے دوچار ہوگئی۔ سابق وزیراعظم شوکت عزیز کے خلاف 2006ء میں اپوزیشن کی پیش کردہ تحریک عدم اعتماد کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

بھارت میں تحریک عدم اعتماد کی تاریخ:

پاکستان کی تاریخ میں وزیرِاعظم کے خلاف پہلی تحریک عدم اعتماد 1989 میں بے نظیر بھٹو کے خلاف پیش کی گئی جو کہ ناکام ہوئی۔ اگست 2006 ء میں سابق وزیراعظم شوکت عزیز کے خلاف تحریک عدم اعتماد ناکام رہی تھی۔

پاکستانی تاریخ میں صرف ایک تحریک عدم اعتماد کامیاب ہوئی جو کہ 2022 میں عمران خان کے خلاف پیش کی گئی۔[1]

حاصل بحث:

اس طریقے میں مندرجہ ذیل اصول سامنے آئے

1۔اس کے لئے پارلیمنٹ کا ممبر ہونا ضروری ہے۔ کوئی عام شہری اس میں شامل نہیں ہو سکتا۔

2۔ایک یا دو ممبر نہیں پیش کر سکتے بلکہ کم از کم بیس فی صد ممبران ہوں۔

3۔اس دوران وزیراعظم استعفیٰ نہیں دے سکتا۔

4۔سیاسی، اخلاقی اور جرم کا ارتکاب ہو سب کا فیصلہ اکثریت سے ہوتا ہے۔

5۔کسی پارٹی کارکن اس کے خلاف ووٹ نہیں ڈال سکتا۔

6۔پاکستان کی تاریخ میں وزیراعظم کے خلاف تین دفع پیش ہوئی اور صرف ایک دفع کامیاب ہوئی۔

7۔اس کی کامیابی کے لئے اکثریت ممبران کا ووٹ ضروری ہے۔

8۔تحریک عدم کی تاریخ کو دیکھا جائے تو اس کا آغاز 1782ء میں برطانیہ سے ہوا۔

9۔اس کا آغاز ایک سیاسی مقصد کا حصول تھا۔

10۔اگر کسی پارٹی کی ایوان میں اکثریت ہے تو اس حکومت کو تحریک عدم اعتماد سے معزول نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] کمار، ڈاکٹر رمیش وانکوانی تحریک عدم اعتماد کا تاریخی پس منظر، 17 فروری، 2022
https://jang.com.pk/news/1051149(11/3/2023)

اس طریقے کی خرابیاں:

1۔عام شہری کی رسائی نہیں ہو سکتے۔
2۔کوئی بھی ممبر اکیلے اس کو پیش نہیں کر سکتا۔
3۔ہر قسم کی شکایت سیاسی،اخلاقی اور جرم کے ارتکاب پر اس تحریک کا ایک ہی طریقہ ہے۔
4۔پارٹی کے خلاف ووٹ نہ دے کر اس کی شفافیت کو داغدار کر دیا ہے۔
4۔یہ خالص سیاسی طور پر حکومت کو تنگ کرنے کے لئے موثر ہوتا ہے۔

نتیجہ بحث:

1۔تحریک عدم اعتماد کے مکمل طریقہ کار کو دیکھا جائے تو یہ اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔
2۔اسلام خلیفہ وقت کو ہر شہری کی شکایت پر جواب دہی کا پابند کرتا ہے۔
3۔قاضی وقت کس بھی شہری کی شکایت پر اس کو طلب کر سکتا ہے۔

صدر کا مواخذہ

امریکہ میں صدر کا مواخذہ:

مواخذہ سے مراد باضابطہ تبدیلی ہے اور کسی فرد کو اسکے عہدے سے ہٹانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔صدر کے مواخذے سے مراد دونوں ایوانوں میں ایک ایسی ووٹنگ کرنا ہے جو صدر کے آئین، قانون، کوئی جرم یا کوئی اخلاقی غلطی کرنے کے بعد اسلئے کی جاتی ہے کہ اسے صدارت کے عہدے پر رہنا چاہیے یا نہیں۔اگر یہ ووٹنگ کامیاب ہو جائے تو صدر کو عہدے سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔یہ مواخذہ امریکی آئین کے مطابق صدر کے علاوہ دوسرے سرکاری عہدے داروں کا بھی کیا جاتا ہے مگر یہاں ہم اپنے عنوان کے مطابق صرف صدر جو کہ صدارتی نظام میں حکومت کہلاتا ہے اور اپنی کابینہ سے مل کر ملکی معاملات چلاتا ہے۔اس طرح یہ حکومت کی تبدیلی کہلاتا ہے۔

صدر کا مواخذہ تحریکِ عدم اعتماد سے زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔اس کو دونوں ایوانوں میں پاس کروانا ضروری ہوتا ہے۔اسی پیچیدگی اور مشکل عمل کی وجہ سے آج تک امریکہ میں کسی صدر کو مواخذے کے ذریعے ہٹایا نہیں گیا۔اس سے اس کی پیچیدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو کہ ناممکن نہیں تو مشکل ترین ہے۔اس عمل کو امریکی تاریخ میں صرف ایک صدر نے اس کے دباؤ کی وجہ سے استعفیٰ دیا ہے اور اُن کا نام رچرڈ نکسن ہے۔اس کے علاوہ کسی صدر کے خلاف

ووٹنگ کی وجہ سے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جن دو صدور کے خلاف مواخذے کا عمل کیا گیا اور وہ کامیاب نہیں ہوا وہ اینڈریو جانسن اور بل کلنٹن ہیں۔

مواخذے کا طریقہ کار

ایوان (lower house) کی عدالتی کمیٹی :

مواخذے کا طریقہ کار یہ ہے کہ اسے سب سے پہلے ایوان (lower house) کی عدالتی کمیٹی میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایوان کے ممبران میں سے کوئی بھی فرد صدر کے خلاف یہ درخواست پیش کرتا ہے اور اس میں صدر کے اس عمل کا ذکر کرتا ہے جسکی وجہ سے وہ اس کے مواخذے کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ درخواست ایک قرارداد کی صورت میں پیش کی جاتی ہے۔ اس قرارداد کو ایوان کی عدالتی کمیٹی کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ (یہ مواخذہ ایک سیاسی سزا ہوتی ہے، یہ سارا عمل کسی جرم کی سزا نہیں ہوتی)۔

عدالتی کمیٹی کے ممبران اس کا مکمل جائزہ لیتے ہیں۔ صدر کے خلاف جن چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے اسکی تحقیق کرتے ہیں۔ ان الزامات کی نوعیت کو دیکھا جاتا ہے اور ہر ہر پہلو کو بغور قانون کے مطابق پرکھا جاتا ہے۔ جب کمیٹی کے ممبران مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ان الزامات میں اتنا وزن ہے کہ مزید کاروائی کی جائے تو وہ اسکو مزید کاروائی کیلئے منظور کر لیتے ہیں۔

ایوان میں ووٹنگ (lower house):

سب سے ابتدائی عمل کے مکمل ہونے اور عدالتی کمیٹی کا اسے مزید کاروائی کیلئے رضامند ہونے کے بعد اسکو رائے شُماری کیلئے ایوان میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسکی ایوان میں کامیابی کیلئے سادہ اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ایوان میں موجود ارکان کی زیادہ تعداد اس مواخذے کے حق میں ہو تو اسکو منظور کر لیا جاتا ہے۔ ایوان میں اس پر پہلے بحث کی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد ووٹنگ ہوتی ہے۔ جب یہاں سے ایوان کی رضامندی حاصل ہوتی ہے تو اسے مزید کاروائی کیلئے منظور کر لیا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسے سینیٹ (upper house) بھیجا جاتا ہے۔

سینیٹ کی کاروائی:

پہلے اس کی کاروائی سینیٹ کے ممبران بند کمرے کے اجلاس میں اس کی تحقیق کرتے ہیں۔ اس میں سپریم کورٹ کا چیف جسٹس اس تمام کاروائی کی صدارت کرتا ہے۔ تمام گواہیاں اور مکمل طریقہ کار اس کی نگرانی میں کیا جاتا ہے۔ صدر کو اپنے دفاع کا مکمل اختیار ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے قانونی ٹیم اور وکیل پیش کر سکتا ہے۔ جو تمام قانونی پہلو پر بحث اور اسکا مکمل دفاع کر سکتے ہیں۔ سینیٹ کے ہر ممبر کے سامنے یہ کاروائی کی جاتی ہے تاکہ اسے مکمل طور پر

اس الزام اور دونوں طرف پیش کئے جانے والے گواہوں کی آگاہی ہو سکے اور وہ مطمئن ہو سکے کہ اس نے اپنا ووٹ کس طرح استعمال کرنا ہے۔[1]

سینیٹ میں ووٹنگ:

اس کے بعد آخری اور نتیجہ خیز عمل کیا جاتا ہے۔اس عمل میں سینیٹ کا اوپن اجلاس بلایا جاتا ہے۔اس اجلاس میں ووٹنگ کی جاتی ہے۔ اسکی کامیابی کیلئے سادہ اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ کامیاب ہو جائے تو صدر کو عہدے سے ہٹادیا جاتا ہے۔[2]

صدر کلنٹن کا مواخذہ:

صدر کلنٹن کے مواخذے کا آغاز اصل میں ایک سول سوٹ سے ہوا تھا جس میں پاؤلا جونز کی طرف سے کلنٹن کے خلاف جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کے دعوے شامل تھے، جو کہ صدر منتخب ہونے سے قبل آرکنساس میں ہونے والے ایک عدالتی مقدمے میں کیا گیا۔ شواہد سامنے آئے کہ کلنٹن کا اس وقت وائٹ ہاؤس کی ایک انٹرن مونیکا لیونسکی کے ساتھ غیر ازدواجی تعلق تھا۔ 1998 کے اوائل میں، کلنٹن نے لیونسکی کے ساتھ جنسی تعلق رکھنے سے انکار کر دیا۔ لیونسکی نے ایک حلف نامہ بھی جمع کرایا جس میں کلنٹن کی گواہی کی تصدیق کی گئی۔

لیونسکی کو خفیہ طور پر فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن کے ذریعہ کلنٹن کے ساتھ اس کے تعلقات پر بحث کرنے کے بعد ریکارڈ کیا گیا تھا، اسٹار کی تحقیقات کو اس بات کا تعین کرنے کے لیے بڑھایا گیا تھا کہ آیا کلنٹن نے اپنے عہدہ کے دوران حلف کے تحت جھوٹ بولا تھا۔ لیونسکی کو استثنیٰ دیا گیا اور جولائی میں سٹار کی گرینڈ جیوری کے سامنے گواہی دی گئی کہ ان کے اور کلنٹن کے درمیان جنسی تعلقات تھے۔ اس کے بعد کلنٹن نے حلف کے تحت جھوٹ بولنے کا اعتراف کیا۔

---

[1]. Owsley, Brian L, Due Process And The Impeachment Of Presıdent Donald Trump 4/18/20, 5:39:05 AMhttps://illinoislawrev.web.illinois.edu/wp-content/uploads/2020/04/Owsley-final-2.pdf(25/2/23)

[2]Cole، Jared P ,Todd Garvey, Impeachment and the Constitution. ، 12/9/23, 2:04:03 AM November 20, 2019Congressional Research Service 7.www.crs.govR4601 https://crsreports.congress.gov/product/pdf/R/R46013(11/3/2023)

8 ستمبر 1998 کو، ایوان نے عدلیہ کمیٹی کے سامنے مواخذے کی انکوائری شروع کی، جس نے دسمبر میں ایوان کے ووٹ کے لیے مواخذے کے چار آرٹیکلز واپس کر دیے۔ مواخذے کے مضامین میں جھوٹی گواہی سے متعلق دو مضامین شامل تھے، ایک انصاف میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے، اور ایک عہدے کے غلط استعمال کے لیے۔ 19 دسمبر کو، ایوان نے مواخذے کے دو آرٹیکلز کے حق میں ووٹ دیا، یہ پایا کہ کلنٹن نے گرینڈ جیوری کے سامنے جھوٹی گواہی دی تھی اور انصاف میں رکاوٹ ڈالی تھی، لیکن باقی آرٹیکلز کو مسترد کر دیا تھا۔ سینیٹ نے 1999 کے اوائل میں ایک مقدمے کی سماعت کی۔ 12 فروری 1999 کو سینیٹ نے کلنٹن کو بری کر دی۔[1]

مونیکا لیونسکی کا اعتراف:

2014 میں بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے لیونسکی نے اس سکینڈل کے حقائق بیان کئے اس نے بتایا کہ 1998 میں اس سکینڈل کے سامنے آنے کے بعد اسے بدنامی اور استحصال سے گزرنا پڑا، میرے اور صدر کلنٹن کے درمیان جو کچھ بھی ہوا، مجھے اس پر گہرا افسوس ہے، صدر کلنٹن کو بچانے کے لیے اسے قربانی کا بکرا بنا دیا گیا، کلنٹن انتظامیہ، خاص کر اسٹغاثہ کے چیچے، حکمران اور اپوزیشن کے سیاسی کارکن اور میڈیا میری ایک شبیہ بنانے میں کامیاب ہوئے اور وہی شبیہ چلتی رہی کیونکہ اس پر اقتدار کی طاقتوں کا رنگ چڑھا دیا گیا تھا۔

ریپبلکن پارٹی نے بل کلنٹن پر مونیکا لیونسکی کے ساتھ جنسی تعلقات کے حوالے سے وفاقی تفتیش کاروں سے جھوٹ بولنے کا الزام لگایا تھا۔ اسی الزام میں ریپبلکن پارٹی نے کلنٹن کے خلاف مواخذہ بھی شروع کیا لیکن وہ ناکام رہے۔ بل کلنٹن نے اپنے عہدہ صدارت کی مدت مکمل کی اور وہ سنہ 2000 تک امریکہ کے صدر رہے۔ سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے مونیکا لیونسکی سے اپنے تعلقات کو ایک 'خوفناک اخلاقی غلطی' قرار دیا تھا

.[2]

---

[1] Federal Impeachment,William J. Clinton , Library of Congress Legal , 7 March 2024.https://guides.loc.gov/federal-impeachment/bill-clinton(19/2/2023)

[2] مونیکا لیونسکی، بل کلنٹن کے ساتھ تعلقات پر افسوس، اردو بی بی سی، 7 مئی 2014
https://www.bbc.com/urdu/world/2014/05/140507_monica_breaks_media_silence_zz (28/12/2022)

حاصل کلام:

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جرم کے ثابت ہونے کے بعد بھی حکمران جماعت کی اکثریت کی وجہ سے امریکہ کے صدر بل کلنٹن کا مواخذہ نہ ہو سکا اور اس نے اپنی مدت صدارت پوری کی۔

ایران کے سیاسی نظام میں حکومت کی تبدیلی:

ایران میں حکومت کی تبدیلی کو سمجھنے کیلئے اسکے سیاسی نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ پہلا اس کے سیاسی نظام کے ڈھانچے کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔ ایران کا سیاسی نظام ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انقلاب کے بعد اسلامی سیاسی نظام کے قیام پر غور و فکر کیا گیا اور جمہوریت کے ساتھ مربوط کر کے ایک نئے انداز کا نظام بنایا گیا ہے۔ اس لئے اس کا علم ضروری ہے۔

اس میں رائے شُماری اور ووٹنگ کے ذریعے صدر اور پارلیمان کو منتخب کیا جاتا ہے۔ ایران میں ایک سپریم لیڈر (رہبرِ اعلیٰ) کے نام سے عہدہ بنایا گیا۔ اسکی نگرانی میں غیر منتخب کمیٹیاں ہوتی ہیں جو ایک شوریٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب ہم ان عہدوں پارلیمان اور کمیٹیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

سپریم لیڈر (رہبرِ اعلیٰ):

یہ عہدہ ایران کے سیاسی نظام کا سب سے اعلیٰ عہدہ ہے۔ ان کے پاس سب سے زیادہ اختیار ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے روح رواں آیت اللہ روح اللہ خمینی کو یہ عہدہ پہلی دفعہ دیا گیا۔ ان کا انتخاب یا تعین ایک مجلس کرتی ہے جسکا نام مجلس خیر گان رہبری ہے۔ یہ مجلس اس عہدے کا احتساب کرتی ہے اور مسلسل ان پر نظر رکھتی ہے۔ اسی مجلس کے پاس انہیں معزول کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس طرح مشاورت سے یہ مجلس ان کو ہٹا سکتی ہے۔

صدر:

سپریم لیڈر کے بعد صدر کا عہدہ ہوتا ہے جو ایک حکومت کی صورت میں کام کرتا ہے۔ تمام انتظامی امور کی نگرانی صدر کرتا ہے۔ اس کی تبدیلی حکومت کی تبدیلی کہلاتی ہے۔ اس کی کابینہ ہوتی ہے جسکی مدد سے وہ حکومت چلاتا ہے۔ صدر کا انتخاب کرنے والی مجلس کا نام نگران شوریٰ ہے۔ اسکے ممبران ووٹنگ کے ذریعے صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔

صدر کا مواخذہ:

ایران کی پارلیمان صدر کے مواخذے کا اختیار رکھتی ہے۔ اسکو اختیار حاصل ہے کہ صدر اور وزراء کو پارلیمان میں بلائے اور ان سے مختلف امور کی جواب دہی کرے۔ اگر کوئی ضروری معاملہ ہو تو مواخذہ بھی کرے۔

پارلیمان:

پارلیمان ایک ایسی اسمبلی ہوتی ہے جسکو براہ راست عوام کی رائے شُماری سے بنایا جاتا ہے جسے جمہوریت میں قومی اسمبلی کے لئے لوگوں کو ووٹنگ کا حق دیا جاتا ہے، اسی طرح یہ ادارہ بھی منتخب ادارہ ہے اور عوام ہی اسکے ممبران کو ووٹنگ کے ذریعے چنتے ہیں۔ اسکے ممبران کی تعداد ۲۹۰ ہوتی ہے جو کہ پورے ملک سے منتخب ہوتے ہیں۔ ان ممبران کا انتخاب چار سال کے لئے ہوتا ہے۔ ہر چار سال کے بعد الیکشن ہوتے ہیں۔ اس ادارے کا کام بالکل قومی اسمبلی کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں بل اور بجٹ پیش کیا جاتا ہے اور اسکو منظور کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی حتمی منظوری نگہبان شوریٰ دیتی ہے۔ یہ ادارہ صدر اور وزراء پر نظر رکھتا ہے۔ ان کو مختلف معاملات میں طلب کرتا ہے اور مواخذہ کے ذریعے عہدے سے ہٹا بھی سکتا ہے۔

نگہبان شوریٰ:

یہ ایران کا سب سے طاقتور ادارہ ہے۔ یہ پارلیمان سے تمام بلوں کی منظوری کرتا ہے اور اگر ان میں کوئی خرابی دیکھے تو مسترد کر دیتا ہے۔ یہ الیکشن کمیشن کی ذمے داری بھی رکھتا ہے، امیدواروں کی جانچ کرتا ہے اور اسکی حتمی منظوری کے بعد ہی کوئی امیدوار الیکشن میں حصہ لے سکتا ہے۔ اسکے ممبران کی تعداد ۱۲ ہوتی ہے۔ چھ ممبران سپریم لیڈر اور چھ ممبران پارلیمان منتخب کرتے ہیں۔

مجلس خبرگان رہبری:

اس مجلس میں ۸۸ علماء ہوتے ہیں جو سپریم لیڈر کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کے پاس اسے ہٹانے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔

کابینہ:

ان کی نامزدگی صدر کرتا ہے اور پھر پارلیمان میں ان کے نام پیش کرتا ہے۔ پارلیمان ان کی حتمی منظوری دیتا ہے۔ یہ صدر یا نائب صدر کی سربراہی میں کام کرتے ہیں۔

وزراء کا مواخذہ: ان پر پارلیمان نظر رکھتا ہے۔ ان کے مواخذے کا اختیار اسی کے پاس ہوتا ہے۔ وہ مواخذہ کر کے ان کو عہدے سے ہٹا سکتے ہیں۔[1]

حکومت کی تبدیلی: ایران کے سیاسی نظام میں صدر اور اس کی کابینہ ایک حکومت کہلاتی ہے۔ اگر صدر کو ہٹایا جائے تو حکومت ختم ہو جاتی ہے۔ اس حکومت کو ختم کرنے کا اختیار پارلیمان کے پاس ہوتا ہے حالانکہ اس کا انتخاب براہ راست عوام کے ووٹوں سے ہوتا ہے۔

سعودی عرب کے نظام حکومت کی تبدیلی:

سعودی عرب کا نظامِ حکومت سب سے جداگانہ ہے۔ یہاں ملوکیت کے طرز کی حکومت قائم ہے۔ اس میں بادشاہی نظام ہے۔ ۱۹۹۲ء میں ایک قانون کے تحت یہ بات لازم کی گئی کہ سعودی عرب میں صرف ایک ہی خاندان حکمرانی کرے گا۔ اسکا نام ال سعود ہے اور یہ عبدالعزیز بن سعود کی اولاد ہے۔ اس طرح یہاں وراثتی اعتبار سے بادشاہ بنایا جاتا ہے۔ بادشاہ کا نام شاہی خاندان کے اہم افراد پیش کرتے ہیں۔ اس بادشاہ کے تعین میں ال سعود اور علماء کی تائید ضروری ہوتی ہے۔ اس نظام میں وزراء کی ایک کونسل ہوتی ہے جو ہر قسم کے قانون بناتی ہے اور اس پر غور کرتی ہے۔ اس میں شریعت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اسلئے ہر قانون عدالتی شرعی نظام کا پابند ہے۔ ایک عدالتی کونسل ہے جو کہ بادشاہ کی منظوری کے بعد محکمہ قضاء کے مختلف قاضیوں کو نامزد کرتی ہے۔ ان قاضیوں کے نام عدالتی کونسل پیش کرتی ہے۔

سعودی عرب میں مکمل شریعت کی پابندی کی جاتی ہے اور تمام قوانین اور اسکی سزائیں اسلام کے قوانین کے مطابق ہیں۔ سعودی عرب میں ایک نیا آئین ۱۹۹۲ء میں ترتیب دیا گیا جس میں واضع طور پر قرآن و سنت کو فوقیت دی گئی اور اس میں ذکر کیا گیا کہ کوئی بھی قانون ان حدود سے باہر نہیں ہو گا۔

بادشاہ کی تبدیلی:

سعودیہ میں شاہی خاندان کی کمیٹی ہی بادشاہ کا انتخاب کرتی ہے اور وہی اس کو معزول کر سکتی ہے۔ ۲۰۰۶ء میں ایک باقاعدہ کمیٹی وجود میں آئی جسکے حکمران کی تعداد ۳۵ ہے۔ اب یہ کمیٹی ہی جو کہ ایک شاہی خاندان کے افراد پر

---

[1] Constıtutıon OfTthe Islamıc Republıc 0f Iran 8/1/02, 8:39:12 PM https://www.legal-tools.org/doc/4205c7/pdf(2/5/2023)

مشتمل ہے بادشاہ کو معزول کر سکتی ہے۔اسکے علاوہ انہیں اس میں علماء کی تائید بھی حاصل کرنی ہوتی ہے۔اس میں تخت کی جانشینی براہ راست موروثی نہیں ہے، حالانکہ حکومت کے بنیادی قانون کے تحت بادشاہ کو ابن سعود کا بیٹا یا پوتا ہونا چاہیے۔روایتی طور پر، وارث ظاہر، جو نائب وزیر اعظم بھی ہے، کا تعین شاہی خاندان کے اتفاق رائے سے کیا جاتا ہے، لیکن 1992 کے بعد سے وہ بادشاہ کے ذریعے مقرر کیا جاتا ہے (خاندان کی تصدیق بادشاہ کی موت کے بعد ہی ہوتی ہے)۔2006 میں ولی عہد کے انتخاب میں حصہ لینے کے لیے شاہی خاندان کے 35 ارکان پر مشتمل ایک کونسل ایلجیئنس کمیشن تشکیل دی گئی۔شاہی خاندان بھی اتفاق رائے سے بادشاہ کو معزول کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے، جیسا کہ 1964 میں شاہ سعود کی معزولی میں دیکھا گیا تھا۔

شاہ سعود کی معزولی اور شاہ فیصل کی نامزدگی:

شاہ فیصل ایک باصلاحیت اور تدبر والا شخص تھا۔وہ شاہ سعود کے زمانے میں حجاز کا گورنر تھا۔اس کے علاوہ وہ وزیر خارجہ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ جبکہ اس کا بھائی شاہ سعود بادشاہ تھا۔اس میں سیاسی تدبر اور جدید وقت کے تقاضوں کے مطابق حکومت چلانے کی صلاحیت نہ تھی مگر وہ اپنا منصب چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔اس کے طرز سیاست کی وجہ سے سعودی عرب معاشی اعتبار سے پستی میں جارہا تھا اور دن بدن حالات خراب ہو رہے تھے۔شاہی خاندان کے افراد اور علماء نے مل کر انہیں بادشاہت سے دستبردار ہونے کے لئے کہا۔اس دباؤ کی وجہ سے بالآخر ۱۹۵۸ء میں وہ تمام انتظامی اختیارات سے دستبردار ہو گئے مگر بادشاہت کا عہدہ نہ چھوڑا۔اس طرح شاہ فیصل نے تمام اختیارات بہتر طریقے سے سرانجام دیئے اور ملک کو اس بحران سے باہر نکالا۔ان کے تدبّر اور بروقت اقدامات سے مالی حالات اور ریال کی قدر بہتر ہو گئی اور اس نے استحکام حاصل کر لیا۔

شاہ سعود کی معزولی:

اس وقت ایک مجلس موجود تھی جسکے ممبران کی تعداد ۱۷۰ تھی۔اسمیں ۱۰۰ ممبران شاہی خاندان کے تھے اور ۷۰ علماء تھے۔اس مجلس نے متفقہ فیصلہ کیا اور شاہ سعود کو معزول کر دیا اور ان سے بادشاہت کا علامتی عہدہ بھی لے لیا اور اسکی جگہ شاہ فیصل کے حق میں بادشاہت کا فیصلہ صادر کر دیا۔

معزولی کا طریقہ کار:

اس تنازعے کی وجہ سے سعودی عرب میں بادشاہ کے انتخاب اور معزولی کیلئے طریقہ کار کی راہ ہموار ہوئی جسکے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

۱) سعودی نظامِ حکومت میں علماء کی اہمیت کو محسوس کیا گیا اسلئے شاہی افراد کے ساتھ علماء کی منظوری کو بھی اہم قرار دیا گیا۔

۲) بادشاہ کے لئے اسلامی قوانین کا پابند ہونا ضروری ہے۔ اسکا عمل کسی بھی اسلامی روایت کے خلاف نہ ہو۔ اگر علماء اس کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے اعتراض کر دیں تو اسکا بادشاہ بننا مشکل ہو جائے گا

چین کے سیاسی نظام میں حکومت کی تبدیلی:

چین کا سیاسی نظام بھی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ چین میں قومی عوامی کانگریس کا نظام رائج ہے۔ اس کا سب سے اعلیٰ ادارہ قومی عوامی کانگریس ہے۔ سب سے پہلے تحصیل کی سطح پر عوامی کانگریس کے نمائندے ہوتے ہیں جو براہ راست ووٹنگ کے ذریعے اس کا حصہ بنتے ہیں۔ پھر قومی عوامی کانگریس کے ممبران بالواسطہ منتخب ہوتے ہیں۔ اس طرح قومی عوامی کانگریس میں پورے ملک کی عوام کی نمائندگی ہوتی ہے۔ اس کے ممبران ۵ سال تک اس کا حصہ رہتے ہیں۔ اسکے بعد نیا انتخاب کیا جاتا ہے۔ قومی عوامی کانگریس تمام انتظامی امور کی نگرانی کرتی ہے، قوانین بناتی ہے[1]۔ عہدوں کی تعیناتی وغیرہ اہم امور سرانجام دیتی ہے۔ قومی عوامی کانگریس ہی صدر، وزیرِ اعظم، وزراء اور قائمہ کمیٹی کا تعین کرتی ہے۔

حکومت کی معزولی:

چین کے آئین شق 67 کے مطابق قومی عوامی کانگریس جس طرح اہم عہدوں صدر، وزیرِ اعظم اور وزراء کا تعین کرتی ہے۔ اسی طرح یہ ان کو معزول بھی کرتی ہے۔

بادشاہ کی تبدیلی:

اس میں تخت کی جانشینی براہ راست موروثی نہیں ہے، حالانکہ حکومت کے بنیادی قانون کے تحت بادشاہ کو ابن سعود کا بیٹا یا پوتا ہونا چاہیے۔ روایتی طور پر، وارث ظاہر، جو نائب وزیر اعظم بھی ہے، کا تعین شاہی خاندان کے اتفاق رائے سے کیا جاتا ہے، لیکن 1992 کے بعد سے وہ بادشاہ کے ذریعے مقرر کیا جاتا ہے (خاندان کی تصدیق بادشاہ کی موت کے بعد ہی ہوتی ہے)۔ 2006 میں ولی عہد کے انتخاب میں حصہ لینے کے لیے شاہی خاندان کے 35 ارکان پر مشتمل ایک کونسل ایلجیئنس کمیشن تشکیل دی گئی۔ شاہی خاندان بھی اتفاق رائے سے بادشاہ کو معزول کرنے

---

[1]The Constitution law of People's Republic of China 11/30/10, 6:44:22 PM https://www.wipo.int/edocs/lexdocs/laws/en/cn/cn147en.pdf(10/2/2023)

کا فیصلہ کر سکتا ہے، جیسا کہ 1964 میں شاہ سعود کی معزولی میں دیکھا گیا تھا۔

پاکستان کے سیاسی نظام میں حکومت کی تبدیلی:

پاکستان کی 75 سالہ تاریخ میں کسی بھی وزیر اعظم نے اپنا دور حکومت مکمل نہیں کیا ہے۔ 1947 سے اب تک پاکستان کی پارلیمانی تاریخ میں 29 وزرائے اعظم گزرے چکے ہیں۔18 موقعوں پر کرپشن کے الزامات، براہ راست فوجی بغاوت اور جبری طور پر استعفیٰ لینے سمیت ان کو مختلف بہانوں سے اپنے عہدوں سے ہٹایا گیا۔ اس میں ایک وزیر اعظم کا قتل بھی ہوا۔ پاکستان میں وزیر اعظم کا مختصر ترین دور دو ہفتے اور سب سے طویل دور چار سال اور دو ماہ کا رہا۔

ذیل میں ان وزرائے اعظم کی فہرست ہے جو اپنے عہدے کی آئینی مدت پوری نہ کر سکے۔ اس میں نگراں وزرائے اعظم یا وہ وزرائے اعظم شامل نہیں جنہوں نے دوسرے وزیر اعظم کی مدت پوری کی ہو۔

1۔ لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے، انہوں نے 1947 میں اقتدار سنبھالا۔ 16 اکتوبر 1951 کو ایک سیاسی جلسے میں ان کو قتل کیا گیا۔ ان کے حکومت کا دور چار سال اور دو ماہ تھا۔

2۔ خواجہ ناظم الدین نے 17 اکتوبر 1951 کو وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ مذہبی فسادات سے صحیح طور پر نہ نمٹنے کی وجہ سے گورنر جنرل نے ان کو 17 اپریل 1953 کو برطرف کیا تھا۔ گونر جنرل برطانوی نوآبادیاتی دور کا ایک طاقتور عہدہ تھا۔ ان کا دور حکومت ایک سال چھ ماہ پر مشتمل تھا۔

3۔ محمد علی بوگرہ 17 اپریل 1953 کو وزیر اعظم بنے۔ انہوں نے 11 اگست 1955 کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا تھا۔ ان کی حکومت دو سال اور تین ماہ رہی۔

4۔ چوہدری محمد علی نے اگست 1955 میں وزیر اعظم کے عہدے کا چارج سنبھالا۔ حکمراں جماعت کے اندرونی اختلافات 12 ستمبر 1956 کو ان کی برطرفی کا باعث بنے۔ وہ ایک سال اور ایک ماہ وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

5۔ حسین شہید سہروردی 12 ستمبر 1956 کو وزیر اعظم بنے۔ دیگر ریاستی اداروں کے ساتھ اختلافات کے باعث ان کو 18 اکتوبر 1957 کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔ ان کی حکومت ایک سال اور ایک ماہ رہی۔

6۔ اکتوبر 1957 میں ابراہیم اسماعیل چندریگر کو وزیر اعظم کا عہدہ ملا۔ ابراہیم اسماعیل چندریگر تحریک عدم اعتماد کا شکار ہوئے۔ انہوں نے 16 دسمبر 1957 کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا۔ وہ دو ماہ سے بھی کم پاکستان کے وزیر اعظم رہے۔

7۔ ملک فیروز خان نون نے 16 دسمبر 1957 کو وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ سات اکتوبر 1958 میں مارشل لا کے نفاذ کے بعد ان کو برطرف کیا گیا۔ ان کا دور حکومت دس ماہ سے کم تھا۔

8۔ نورالامین سات دسمبر 1971 کو وزیر اعظم بنے۔ وہ دو ہفتوں سے کم پاکستان کے وزیر اعظم رہے۔ پاکستان سے بنگلہ دیش کی علیحدگی کے فوراً بعد انہوں نے 20 دسمبر 1971 کو اپنا عہدہ چھوڑ دیا تھا۔

9۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 14 اگست 1973 کو اقتدار سنبھالا۔ پانچ جولائی 1977 کو ایک فوجی بغاوت کے ذریعے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ بعد ازاں ان کو جیل بھیجا گیا اور پھانسی دی گئی۔ ان کے حکومت کا دور تین سال اور 11 ماہ پر مشتمل تھا۔

10۔ محمد خان جونیجو مارچ 1985 میں وزیر اعظم بنے۔ انہیں 29 مئی 1988 کو فوجی سربراہ ضیاالحق نے برطرف کیا جو اس وقت صدر بھی تھے۔ وہ تین سال اور دو ماہ وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

11۔ پہلی خاتون رہنما بے نظیر بھٹو نے وزیر اعظم کا عہدہ دو دسمبر 1988 کو سنبھالا۔ ان کی حکومت کو صدر نے کرپشن کے الزام میں چھ اگست 1990 میں برطرف کیا تھا۔ ان کی حکومت ایک سال اور آٹھ ماہ رہی۔

12۔ میاں محمد نواز شریف نے چھ نومبر 1990 کو اقتدار سنبھالا تھا۔ ان کی حکومت بھی کرپشن کے الزامات کے تحت 18 اپریل 1993 کو صدر نے برطرف کی تھی۔ عدالتی فیصلے بعد میاں نواز شریف کی حکومت بحال ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنا عہدہ بھی سنبھالا تاہم فوج سے اختلافات کے بعد انہوں نے بعد میں استعفیٰ دیا تھا۔ ان کا دور حکومت دو سال اور سات ماہ تھا۔

13۔ بے نظیر بھٹو نے 19 اکتوبر 1993 میں دوسری مرتبہ اقتدار سنبھالا۔ پانچ نومبر 1996 کو صدر نے ایک مرتبہ پھر ان کی حکومت کو برطرف کر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ بے نظیر بھٹو تین سال سے زائد عرصہ وزیر اعظم رہیں۔

14۔ نواز شریف 17 فروری 1997 کو دوسری مرتبہ اقتدار میں آئے۔ 12 اکتوبر 1999 کو فوجی بغاوت کے ذریعے ان کی حکومت ختم ہوئی۔ پاکستان کی تاریخ میں تیسری مرتبہ مارشل لا لگا۔ وہ دو سال اور آٹھ ماہ تک وزیر اعظم رہے۔

15۔ میر ظفراللہ خان جمالی نومبر 2002 میں فوجی حکمران پرویز مشرف کے دور میں وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ انہوں نے 26 جون 2004 میں فوج سے اختلافات کے بعد استعفیٰ دیا تھا۔ وہ ایک سال اور سات ماہ وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

16۔ یوسف رضا گیلانی 25 مارچ 2008 کو وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ 2012 میں سپریم کورٹ نے 'توہین عدالت' کے الزام میں ان کو نااہل قرار دیا تھا۔ ان کا دور حکومت چار سال اور ایک ماہ پر مشتمل ہے۔

17۔ نواز شریف پانچ جون 2013 کو تیسری مرتبہ وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ ان کو 28 جولائی 2017 کو سپریم کورٹ نے اثاثے چھپانے کے الزام میں برطرف کیا تھا۔ اس مرتبہ انہوں نے چار سال اور دو ماہ حکومت کی۔

18۔ عمران خان 18 اگست 2018 کو وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ 10 اپریل 2022 کو اپوزیشن کی جانب سے تحریک عدم اعتماد کے ذریعے اقتدار سے باہر ہوئے۔ عمران خان نے تین سال اور سات ماہ حکومت کی۔

پاکستان کا سیاسی نظام عدم استحکام کا شکار رہا جس کی وجہ سے ناقابل تلافی نقصان ہوا اگر اسلامی اصول کو مد نظر رکھا جاتا تو اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ پاکستان میں بھی ایک ایسی کمیٹی ہونی چاہیئے جو حکومت کی پرامن تبدیلی کے عمل کو نافذ کر سکے۔

فصل دوم

دور حاضر میں حکومت کی تبدیلی کا اسلامی فکر کی روشنی میں لائحہ عمل

اسلام رحمت، تیسیر اور تسامح کا دین ہے، اس لئے تخفیف و تسہیل احکام شرعیہ کے میدان میں خواہ احکام منصوص علیہ ہوں، خواہ فقہاء مجتہدین نے انہیں استنباط کیا ہو۔ اللہ اور اس کے رسول نے صریح اور غیر مبہم انداز میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ جب اللہ تعالی ضرر (یعنی تکلیف، نقصان، مرض، مشقت وغیرہ) کو دور کر دیتا ہے تو یہ دفع ضرر اس کی رحمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالی کسی امر میں تخفیف مہیا کرتا ہے ہے تو یہ اس کی رحمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یوں تو رحمت الہی کا مفہوم انتہائی وسیع ہے اور انسان کسی لمحہ کسی جگہ اور کسی امر میں اللہ کی رحمت سے مستثنی نہیں ہو سکتا، لیکن جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے. شریعت کے احکام وضع کرنے سے اللہ کی رحمت کا ظہور اس طرح واقع ہوا ہے کہ احکام میں عدم ضرر، تخفیف، نرمی اور تیسیر مہیا کی گئی ہے، اور جب کسی معاملہ میں ضرر تکلیف، مشقت، نقصان حرج اور حاجت محسوس ہونے لگتی ہے، اس طرح آسانی فراہم کی گئی ہے جس سے یہ مشکل رفع ہو جاتی ہے۔- اللہ کی رحمت، انسانی زندگی کے حوالے سے، انسان کے لئے یہ صرف احکام وضع کرتے ہوئے ہر حکم میں جاری وساری ہوتی ہے اور ہر مشکل وقت دوسرے لفظوں میں ہر حالت ضرورت) میں احکام کو آسان بنانے میں بھی اسی طرح کارفرما ہے، بلکہ وسیع پیمانے پر دین میں آسانیاں مہیا کرنا اللہ نے اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں، اس لئے ان کے جاری کردہ احکام میں تخفیف آسانی اور نرمی کارفرما ہے، یہاں تک کہ مومن کسی امر میں تکلیف محسوس کریں تو یہ بات ان پر شاق گزرتی ہے اس لئے وہ مومنوں کو سہولت مہیا کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وضع کردہ احکام کے ذریعے انسانیت کو تمام بوجھوں اور زنجیروں سے نجات دلاتے ہیں، ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ احکام میں آسانی مہیا کی جائے۔ قرآن کو بھی رحمت قرار دیا گیا ہے، اس لئے قرآن میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ آسان ہونے کی وجہ سے بجائے خود بھی سراپا رحمت ہیں۔ رحمت مومنوں کے لئے عام کر دی گئی ہے بلکہ مومن خود بھی ایک دوسرے کو رحمت کی تلقین کرتے ہیں۔ مومنوں کا ایک دوسرے کو رحمت کی تلقین کرنا اس امر کو شامل ہے کہ مجتہد و فقہاء احکام کی تشریح، تاویل، توضیح اور توضیع میں رحمت (تخفیف، نرمی، عدم ضرر وغیرہ) کو پیش نظر رکھتے ہیں اور لوگوں کو تخفیف اور تیسیر مہیا کرتے ہیں اور انہیں ضرر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ امر انتہائی اہم ہے اور احکام کی توضیح و توضیع میں مجتہد و مفتی کو کسی لمحہ بھی اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ لوگوں کو آسان حکم دینا چاہتا ہے، دین میں شدت پسندی اور غلو کو پسند نہیں کرتا اور قطعا یہ نہیں چاہتا کہ وہ کسی مشکل میں پڑیں اور انہیں کوئی حرج محسوس ہو۔

بلکہ اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی حکم دیا کہ بندوں کے لئے آسانی مہیا کریں۔اللہ کے اس فرمان کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دین اسلام میں تخفیف تیسیر، عدم ضرر اور اعتدال فراہم کرنے کے بارے میں اس قدر واضح ہیں کہ انکی کوئی اور تعبیر ممکن نہیں اور نہ ہی انہیں نظر انداز کیا جا سکتا۔

کشادگی، آسانی، تخفیف، عدم حرج، عدم ضرر، عدم مشقت، اعتدال اور مصلحت کا اطلاق تمام احکام اسلام (بشمول عبادات، مناکحات، عقود، معاملات دنیویہ تصرفات شخصیہ، عقوبات جزائیہ اور تشریحات قضائیہ وغیرہ) تک وسعت پذیر ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات تمام احکام کی بنیاد ہیں جن میں بندوں کی انفرادی اور عمومی و خصوصی حالات کے تحت استعداد کار اور استطاعت کار کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

استطاعت کے معنی میں کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے ان سب کا موجود ہونا، مگر محققین کے نزدیک استطاعت نام ہی ان اسباب و ذرائع اور صلاحیتوں کا جن کے ذریعے ان کو کسی کام کے کرنے پر قدرت ہو جائے۔استطاعت قدرت سے اخص ہے گویا ذھنی، جسمانی اور مالی لحاظ سے کوئی کام کیا جا سکے تو استطاعت موجود تصور ہو گی، اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی کمی ہو تو استطاعت کار حاصل نہیں ہو گی۔ استطاعت کی اس تشریح کے ساتھ احکام شریعت کو مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں ہر قسم کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا موقف مختلف ہے۔

احکام عادیہ واحکام عامہ۔

ان کا تعلق انسان کو روزمرہ زندگی میں اکثر اور عادتاً پیش آنے والے اعمال سے ہوتا ہے۔افراد کے تعلق سے ان کی دو قسمیں ہیں۔

جب ان اعمال کو سرانجام دینے والے افراد اوسط درجے کے ذہنی و جسمانی صحت اور مالی حالت رکھتے ہوں اس صورت میں کوئی استثنائی حالت پیدا نہیں ہوتی، لہذا شرعی احکام کو بعینہ اسی طرح انجام دینا ضروری ہوتا ہے جیسے شرعاً مطلوب اعمال ہوتے ہیں۔جب ان اعمال کو انجام دینے والے افراد غیر معمولی طور پر ذھنی یا جسمانی نقص، کمی یا تکلیف میں مبتلا ہوں یا غیر معمولی طور پر خراب مالی حالت رکھتے ہوں اس صورت میں یہ شرعی احکام ان افراد کی استطاعت کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں۔اگر یہ افراد ان احکام کو بجالانے کی کوشش کریں تو اولا ان کے لئے ایسا کرنا ناممکن ہوتا ہے ثانیاً ممکن ہو تو بھی انہیں انتہائی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا انجام دینے کے نتیجے میں کوئی قدر واقع ہوتا ہے۔لہذا ایسے امور میں شریعت اسلامیہ ان افراد کو حالت ضرورت میں تصور کر کے آسانی و تخفیف اور رخصت وغیرہ مہیا کر دیتی ہے۔

احکام غیر عادیہ واحکام غیر عامہ —

ان کا تعلق انسان کو کبھی کبھی پیش آنے والے واقعات سے ہوتا ہے۔ان میں مکلف افراد کو مختلف طریقوں سے تخفیف وآسانی فراہم کی جاتی ہے (مثلاً حج ہر سال کے بجائے عمر میں ایک دفعہ یا روزے سال میں ایک ماہ وغیرہ) اور بعض افراد (جو بالکل استطاعت نہیں رکھتے) کو مکمل استثناء دے دیا جاتا ہے۔ بعض غیر متوقع حادثات، واقعات اور حالات شریعت کے احکام عادیہ واحکام عامہ پر عمل ناممکن یا مشکل بنادیتے ہیں۔ایسی صورتوں میں وسیع پیمانے پر رعایت دی جاتی ہے۔ہر معاملے میں شریعت اسلامیہ کے اصولی احکام (حلال وحرام کے مسائل) میں نہ کوئی ابہام ہے اور نہ کوئی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔قرآن وسنت کے اکثر احکام کی یہی حیثیت ہے۔جب زمان ومکان اور افراد کے تعلق سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی شرعی امر یا نہی پر عمل ناممکن یا مشکل ہو جاتا ہے تو اس وقت استثنائی احکام وضع ومرتب کرتے ہوئے اصولی احکام کو استثناء پیدا کرنے والے اصولوں کے تابع کر دیا جاتا ہے اس صورت حال کو حالت ضرورت کہتے ہیں۔

اب اسی حالت ضرورت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان مباحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے اسلامی قوانین میں لائحہ عمل کے لئے بنیادی اصول جس میں میں حالت ضرورت کی مختلف صورتوں اور شریعت اسلامیہ کے ان اصول و قواعد کا ذکر کیا گیا ہے، جو اس حالت ضرورت کے وقوع پذیر ہونے پر سہولت و رخصت مہیا کرتے ہیں اور ایسی راہیں تجویز کرتے ہیں جس سے انسان کے لئے شریعت اسلامیہ پر عمل ممکن اور آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرے حصے میں ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی ریاست میں حکومت کی پر امن تبدیلی کا لائحہ عمل تجویز کیا جائے گا۔

اسلامی قوانین میں لائحہ عمل کے لئے بنیادی اصول

حالت ضرورت کو کئی قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔بعض صورتیں ایک سے زائد قسموں کے تحت لائی جا سکتی ہیں کیونکہ ان سب صورتوں میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں اور عملی طور پر سب ہی حالت ضرورت کے مختلف مظاہر ہیں آسانی کے لئے ہم تمام حالات ضرورت کو مندرجہ ذیل قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

اکراہ

اضطرار

حاجت

خوف

حرج

مشقت

ضرر

فساد

عموم البلوٰی

خصوص البلوٰی

عمل ارتقاء

جب حالت ضرورت واقع ہوتی ہے تو شریعت اسلامیہ مختلف صورتوں میں نہ صرف آسانیاں اور سہولتیں مہیا کرتی ہے بلکہ عفو، در گزر اور رخصت و اباحت جیسی عنایات سے نوازتی ہے ۔حالت ضرورت سے جن صورتوں،طریقوں اور ذریعوں سے عہدہ برا ہونا ممکن ہے، انہیں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

قیاس

استصلاح(مصالح مرسلہ)

استحسان

تخفیف ورخصت

عرف

حجر

ان میں سے بعض صورتوں کو ایک سے زائد عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب حالت ضرورت پیدا ہوتی ہے تو ایک سے زائد طریقوں سے اس سے نمٹا جا سکتا ہے - کونسا طریقہ شریعت اسلامیہ کے نزدیک زیادہ مناسب ہے ، اس امر کا انحصار متاثرہ شخص تقویٰ اور اس کی قوت فیصلہ اور حسن انتخاب کی اہلیت پر ہے۔آئندہ صفحات میں حالات ضرورت کی مختلف صورتوں اور ان سے عہدہ برآہونے کے مختلف طریقوں کی تفصیل دی جا رہی ہے۔

قیاس:

لغوی معنی: قیاس مصدر ہے جس کا مطلب ایک چیز کو دوسری کے مطابق و برابر کرنا ایک نعل دوسرے نعل کے اندازے پر ہے۔[1]

تعریف: جس حکم میں نص شرعی موجود نہ ہو اس کو ایسے حکم پر قیاس کرنا جس میں نص شرعی موجود ہو، جس نص شرعی میں حکم موجود ہے اس کی علت کو دیکھا جائے گا اور وہی علت جب غیر منصوص میں بھی پائی جائے گی تو اصل کے مطابق اس کے لئے بھی حکم ثابت ہو جائے گا. یعنی کسی چیز کے حکم میں اور علت میں فرع اصل کے مطابق ہو۔[2]

قیاس کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں.

قیاس طرد اور قیاس عکس

قیاس طرد: جب اصل اور فرع میں ایک جیسی علت موجود ہو مثال: افیون کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس میں علت دیکھیں گیں اور پھر اصل کی علت پر قیاس کر کے حکم لگائیں گیں۔ اصل شراب کی حرمت ہے جو کہ نص سے ثابت ہے اور اس میں علت نشہ ہے۔ تو فرع افیون میں بھی علت یعنی نشہ پایا جاتا ہے۔ تو اس کی حرمت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔

قیاس عکس: ایک چیز کے حکم کو دوسری چیز کے متناقض ہونے پر قیاس کیا جائے مثال: دودھ حلال ہے کہ اس میں شراب کی طرح نشہ نہیں ہے۔

قیاس کے ارکان: اس کے چار ارکان ہیں.

اصل یا مقیس علیہ، علت مشترکہ، فرع یا مقیس، حکم۔[3]

مثال: مذکورہ مثال میں شراب اصل ہے اور افیون فرع ہے اور علت مشترکہ نشہ ہے جبکہ حکم حرمت کا ہے۔

حجیت قیاس: اس کی حجیت قرآن حدیث اور اجماع سے ثابت ہے مختصرا اس کی حجیت پر دلائل پیش کئے جاتے ہیں

قرآن میں سورہ الحشر میں ہے:

﴿ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾[4]

(اے عقل والو: عبرت حاصل کرو)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بھی قیاس کے ثبوت کے کافی دلائل ملتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ

---

[1] التفتازاني، سعد الدين، التلويح مع التوضيح (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب،) ص526

[2] ملاجیون، شیخ احمد، نوار الانوار مع قمر الاقمار، (لاہور: مطبعہ علمی 1952ء) ص224

[3] الغزالي، محمد بن محمد، المستصفى من علم الاصول (کراچی، ادارہ القرآن، 1987)ء، /228

[4] (الحشر 2)

وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا والی بنایا تو سوال کیا کہ تم کیسے فیصلہ کروگے انھوں نے پہلے کتاب اللہ کا ذکر کیا پھر سنت رسول کا جب تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اگر ان دونوں میں حکم موجود نہ ہو تو کیا کروگے اس پر حضرت معاذ نے عرض کیا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ یہ والہ وسلم خوش ہوئے صحابہ کرام کے مختلف معاملات میں قیاس کی مثالیں ملتی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو کہا۔ اگر تمہیں کوئی حکم قرآن وحدیث میں نہ ملے تو اہل علم سے مشورہ کرو اور اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا تہمت کی سزا کے برابر (80) اسی کوڑے مقرر فرمائی. اسکو تہمت (حد قذف) پر قیاس کیا۔

قیاس کی ضرورت پر قرآن وحدیث میں ہمیں بعض معاملات میں اصول تو ملتے ہیں مگر ان کی مکمل تفصیل اور طریقہ کار متعین نہیں ہوتا اسی طرح دنیا میں جدید مسائل و معاملات سامنے آتے ہیں۔ دین اسلام قیامت تک قابل عمل رہے گا ۔اسلئے قرآن وحدیث سے اصول کے مطالعہ و تحقیق کر کے اور اس میں علت کو دیکھ کر نئے مسائل کے حل کیلئے کوشش وسعی کی جاتی ہے کہ اس موجودہ دور میں اس پیش آمدہ مسئلہ کا حل نکالا جاتا ہے

استصلاح

استصلاح کا مطلب ہے مصلحت کو طلب کرنا اسکو مصالح مرسلہ اور رعایۃ المصلحۃ بھی کہا جاتا ہے۔

امام مالک کے نزدیک یہ ایک شرعی دلیل ہے اور اگر کسی مسئلہ میں مصالحہ عامہ کے معاملہ پیش ہو اور کوئی نص موجود نہ تو ہو تو اسے دلیل فرض کر کے فتوی دے جائے گا. اس اصول میں رفاہ عامہ اور شریعت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

تعریف: استصلاح اور مصلحت نفع کو حاصل کرنا اور نقصان کو دور کرنا ہے۔[1]

حجیت استصلاح

اس کا معاملات میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت میں عوام کے معاملات میں مصلحت کو مد نظر رکھا جاتا ہے. اور اس چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ کسی معاملے میں لوگوں پر حرج نہ ہو۔

سورۃ الحج میں ہے: اللہ تعالٰی نے دین کے معاملے میں تمہیں تنگی میں نہیں رکھا ۔[2]

صحابہ کرام کے زمانے میں استصلاح کے اصول پر احکام صادر کئے گئے۔ حضرت ابو بکر نے قرآن مجید کو مدون کیا جہاد میں شرکت کرنے والوں کا ریکارڈ حضرت عمر کے زمانے میں شروع ہوا۔[3]

---

[1] الغزالي، المستصفى 286/1

[2] (الحج 22)

[3] السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط (کراچی: ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 1987ء) 127/27

خراج کی مقدار کو زمین کے مطابق مقرر کیا گیا۔[1]

فقہاء کے احکام: فقہاء نے استصلاح کو شریعت کا اصول تصور کیا اور اس پر احکامات بھی صادر کئے۔ فقہ مالکی نے ٹیکس لگانے کو جائز قرار دیا. جب بیت المال خالی ہو جائے تو حکومت صاحب ثروت لوگوں سے ٹیکس کی صورت میں اخراجات پورے کرے۔[2]

امام مالک کے نزدیک مفقود الخبر شخص کی بیوی 4 سال کے انتظار کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔[3]

فقہ شافعی میں ان جانوروں کو مارنا جائز قرار دیا جن کو دشمن اسلام جنگ میں استعمال کرتے ہیں۔[4]

فقہ حنبلی میں باپ کو مخصوص حالات میں کسی ایک بچے کو مال کا بعض حصہ ہبہ کرنے کی اجازت ہے۔[5]

استصلاح کی شرائط: اس کی شرائط میں شرعی اصول سے مناسبت رکھتی ہو، عقل کے خلاف نہ ہو، اس پر عمل کرنے سے حرج دور ہو.

یہ عامۃ الناس کے مجموعی فائدے کیلئے ہو۔[6]

استصلاح کی ضرورت: اسلام میں قانون سازی کیلئے لوگوں کی بھلائی اور دفع حرج کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ لوگوں کے معاملات مکان اور زمان کی وجہ سے تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں لہذا لوگوں کی ایسی ضروریات جن کا جواز شریعت میں موجود ہو تو ان کی آسانی کے لئے استصلاح کے اصول کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

استحسان

اسلامی فقہ میں ایک مستقل اصطلاح ہے جس کا مطلب اچھا جاننا اور اچھا تیار کرنا ہے۔[7]

تعریف: یہ ایک خفی دلیل ہے جو کہ قیاس جلی سے متعارض ہوتی ہے اسلئے اسے قیاس خفی بھی کہتے ہیں۔[8]

حجیت استحسان

---

[1] الماوردی، الاحکام السلطانیہ ص 152

[2] ابوزہرہ محمد، امام مالک، (فیصل آباد: ملک سنز، ن۔م) ص 402

[3] ابن رشد، محمد بن احمد، بدایہ المجتہد، (لاہور: المکتبہ العلمیہ، 1984ء 39/2

[4] السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاشباہ والنظاہر (مصر: البابی الحلبی، 1959ء) ص 60

[5] ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی (بیروت: دار الفکر، ن۔م)، 265/6

[6] الغزالي: المستصفى 287/1

[7] اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص 325

[8] ملا جیون۔ نور الانوار ص 243

قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ: اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔[1]

سورۃ الاعراف میں ہے: اپنی قوم کو حکم دیجیئے کہ وہ احسن احکام کو اختیار کریں۔[2]

حضرت عمر نے وراثت کے مسئلہ میں قیاس جلی کو چھوڑ کر قیاس خفی یعنی استحسان کو اختیار کیا۔ آپ نے حقیقی بھائیوں کو نقصان سے بچانے کیلئے اخیافی بھائیوں کے ساتھ ملا کر ایک تہائی میں حصہ دار بنا دیا۔ قیاس جلی کے مطابق حقیقی بھائی محروم ہو جاتے۔[3]

فقہاء کے نزدیک استحسان کی حیثیت: احناف، مالکیہ اور حنابلہ نے استحسان کو اصول قرار دیا ہے اور اس کو قیاس خفی کہا ہے جو کہ قیاس جلی کے مقابلے میں ہے. قیاس جلی کی طرف ذہن فوراً اور آسانی سے منتقل ہو جاتا ہے اور قیاس خفی تدبر اور دقت نظر کا محتاج ہوتا ہے.[4]

استحسان کی ضرورت: بعض اوقات ایک حکم قیاس سے ثابت ہوتا ہے مگر ممکن ہے اس پر عمل کرنے کی صورت میں عوام کو تنگی محسوس ہو اس لئے اس کو چھوڑ کر سہل حکم کو اپنا جاتا ہے .

تخفیف:

اسکا مطلب بوجھ ہلکا کرنا ہے.

تخفیف کی اقسام: السیوطی اور ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں اسکی اقسام بیان کی ہیں

تخفیف اسقاط: کسی عذر کی وجہ سے کسی عمل کا حکم ساقط ہو جائے جیسے بیماروں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ چار افراد پر جمعہ واجب نہیں ہے غلام۔ عورت، بچہ اور بیمار۔

تخفیف تنقیص: کسی عذر کی وجہ سے عمل میں کمی کر دی جائے مثال: حدیث مبارکہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیم وکی کے ساتھ مدینہ طیبہ میں ظہر کی نماز کی چار رکعتیں اور ذوالحلیفہ (سفر کی حالت) میں دو رکعتیں پڑھیں۔

تخفیف ابدال: کسی عذر کی وجہ سے ایک عمل کی جگہ دوسرا عمل کیا جائے مثال: پانی میسر نہ ہو تو تیمم کرنا۔

پس اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔[5]

---

[1] البقرۃ:286

[2] الاعراف:145

[3] الشاہ، ولی اللہ، مترجم ابویحییٰ، فقہ عمر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1960ء) ص298

[4] الانصاری، محمد بن نظام الدین، فواتح الرحموت علی المستصفی للغزالي (مصر: الطبعہ الامیریہ 1342ھ) 2/320

[5] (النساء43)

تخفیف تقدیم: کسی عذر کی وجہ سے کسی فعل کو مقرر وقت سے پہلے انجام دینا۔
تخفیف تاخیر: کسی عذر کی وجہ سے فعل کو وقت کے بعد ادا کرنا۔ مثال مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں دونوں کو ملا کر ادا کرنا سفر کی وجہ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں مغرب وعشاء اکٹھے عشاء کے وقت پڑھتے۔
تخفیف ترخیص: کسی عذر کی وجہ سے عمل میں رخصت ہو جانا۔ مثال:
جو کوئی حالت اضطرار میں ہو سخت بھوک کی وجہ سے اور گناہ کی وجہ سے مائل نہ ہو (تو اس کے لئے) اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔[1]

رخصت:

رخصت کا مطلب آسانی اور سہولت کے ہیں. امام غزالی نے ذکر کیا ہے کہ رخصت یسر اور سہولت کا نام ہے۔[2]

رخصت کی حجیت: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا میں سفر میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں مجھ پر گناہ تو نہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. نے فرمایا کہ یہ رخصت اللہ کی طرف سے ہے۔

رخصت کی اقسام

ممنوع کی اباحت: اگر انسان کسی اضطراری حالت میں ہو تو ممنوع عمل کو مباح جانا جائے. مثال: اکراہ کی وجہ سے دل میں ایمان موجود ہو تو زبان سے کلمہ کفر کہنا۔ علامہ السرخسی نے لکھا ہے کہ مضطر کیلئے زبان سے کلمہ کفر کہنا گناہ نہیں ہے۔[3]

ترک واجب کی اباحت: بعض ایسے صورتیں جو جسمانی مشقت و نقص کا باعث بنیں تو واجب و فرض کو ترک کرنے کی اجازت ہے مثال: مسافر اور مریض کیلئے روزہ چھوڑنے کی اجازت و اباحت ہے۔
جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا مسافر ہو تو اس پر (ان روزوں کی) گنتی ہے دیگر دنوں سے۔[4]
عقود کی اباحت: لوگوں کی حاجت کی وجہ سے بعض عقود کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور مباح کیا گیا ہے مثال: بیع سلم جو معدوم کی بیع ہے۔

---

[1] (المائدہ 3)
[2] الغزالي-المستصفى 1/98
[3] السرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، (حیدر آباد: دار الکتب العربی 1372ھ) 1/ 118
[4] (البقرہ: 184)

احکام شاقہ کی رخصت: ان احکام کی رخصت دی گئی ہے جن میں سخت مشقت پائی جاتی ہے.
رخصت کی ضرورت: ان کو مختلف اوقات میں اعذار لاحق ہوتے ہیں جسکی وجہ سے وہ روزانہ کے امور واعمال ادا کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ وگرنہ اسے مشقت شاقہ برداشت کرنی پڑے گی۔

عرف:

عرف کا مطلب عادت اور رسم ورواج کے ہیں۔ عرف سے مراد روزمرہ کے وہ معاملات ہیں جو دلوں میں رچ بس جائیں اور طبائع سلیمہ اسے پسند کریں۔[1]

حجیت عرف: قانون اسلامی میں احکام کے استنباط کے لئے عرف کو ایک قانون واصل کی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ جو چیز عام مسلمان اچھی جانتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔[2]

عرف کی شرائط: اس عرف کو عقل سلیم قبول کرے۔[3] عرف معاشرے میں جاری ہو لوگوں میں عام ہو اور نادر نہ ہو، اگر فریقین عرف کو چھوڑ کر معاہدہ کرلیں تو عرف کا اعتبار نہ ہوگا۔[4]

قوانین اسلامی پر عرف کا اثر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کی رسوم ورواج کو بالکلیہ تبدیل نہیں فرمایا بلکہ بعض اچھی رسوم کو باقی رکھا۔ قتل خطا اور شبہ عمر کے بارے میں عرب میں رواج تھا کہ اسکی دیت 100 اونٹ ہیں۔ اس کو باقی رکھا گیا۔

عرف اور عادت نے بڑا قدیم اور اہم ذریعہ قانون تشکیل دیا ہے۔ عربوں کے رسم و رواج ہی تھے جنہوں نے معاشرے کو منضبط کیا ورنہ انکے ہاں کوئی تحریری دستاویز نہ تھی ۔خلفاء راشدین سے رسول کی طرح بہت سی ایسی رسوم کو قائم رکھا جو معاشرے میں جاری تھیں اور وحی سے متصادم نہ تھیں.۔[5]

عرف کی ضرورت واہمیت: عرف کو شروع سے اسلامی قوانین میں بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اور فقہاء نے شرعی احکام میں اس کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ عرف کے بارے میں کیا گیا ہے جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ اسطرح ہے کہ نص سے ثابت ہے۔[6] عرف کا شرط ہونا شریعت کے شرط ہونے کی طرح ہے۔

---

[1] ابن نجیم، زین العابدین، الاشباہ والنظائر (کراچی: ادارہ القرآن، ن۔م) 1/ 127

[2] الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند احمد (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ن۔م) حدیث نمبر 3589

[3] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر 127/1

[4] المحمصانی، صبحی۔ فلسفہ التشریع فی الاسلام (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1981ء ص 304

[5] Farooqji, Muhammad Yusuf, Dr., Development of usul-Al-Fiqh, An early Historical Perspective(Islamabad:sharia academy), P101

[6] السرخسی۔ المبسوط 13/4

عرف کی تبدیلی سے حکم کی تبدیلی: عرف کے تبدیل ہونے سے اس چیز کا حکم بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔ گندم اور جو وغیرہ زمانہ رسالت میں کیل سے فروخت ہوتے تھے اور یہ ہی عرف تھا۔ مگر بعد میں یہ عرف ختم ہو گیا اور موجودہ زمانے میں بھی یہ عرف ختم ہو چکا ہے۔[1]

تقی امینی لکھتے ہیں کہ

"معاشرہ کی حالت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کبھی یہ معمولی ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر ایک صدی کے بعد دوسری صدی کے آنے سے رونما ہوتی ہے. پہلی صورت میں تو اس کا اثر چند احکام پر ہوتا ہے لیکن دوسری صورت میں قانونی نظام کو نئے انداز سے ڈھالنے اور نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"[2]

حجر:

مجور و د لوگ ہیں جن میں کسی کام کے وجوب یا ادائیگی کی اہلیت مفقود ہو۔[3]

اسباب حجر: حجر کے اسباب میں صبا، جنون، رق، سفہ، تبذیر، مال دار آدمی کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا، قرض کا زیادہ ہونا اور قرض دار کے تجارت کرنے سے اس کا مال ضائع ہونے کا خطرہ، بعض وارثوں کے لئے جائدار کو خاص کر دینے کا خوف، قرض خواہوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے حق میں اقرار کا خوف ۔

حجر کی مشروعیت: حجر یا ممانعت تصرف کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔[4]

حجر کی مشروعیت کا ثبوت اس حدیت سے بھی ملتا ہے۔ معاوبن جبل نو جوان اور فیاض آدمی تھے۔ کوئی چیز روک کر نہیں رکھتے تھے۔ برابر قرض لیتے رہے۔ یہاں تک کہ سارا مال قرض میں ڈوب گیا۔ انہوں نے رسول اللہ سے آکر بات چیت کی تاکہ آپ کے ان کے قرض خواہوں سے بات کریں۔ اگر لوگ کسی کو قرض معاف کر سکتے تھے تو (صرف) آپ کی سفارش سے کر سکتے تھے۔ پھر رسول اللہ نے قرض خواہوں کے لئے ان کا مال فروخت فرمادیا یہاں تک کہ حضرت معاذ کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ اس طرح قرض کی ادائیگی کے لئے مال کو فروخت کر دی گیا اور قرض خواہوں کو ان کا مال دے دیا گیا۔

---

[1] ۔ابن عابدین، محمد امین بن عمر، مجموعہ رسائل (لاہور: سہیل اکیڈمی 1980ء) 118/2

[2] امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1983ء ص 19

[3] ملا جیوان نور الانوار ص 285

[4] البقرہ 282

حجر کی ضرورت

اسلام میں حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد ابھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔اس لئے ایسے امور کی انجام دہی سے شریعت نے صحیح کر دیا ہے جن سے حقوق العباد سلب ہوں۔بندوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کا انتظام خود شریعت کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔مثلا ایک بچہ اگر یتیم ہو جاتا ہے تو اس کے حقوق کو تو نہ دینے کے لئے حاکم وقت اور دیگر رشتہ داروں کو اس کی خبر گیری کا حکم دیا گیا ہے اور اسے نظر انداز کرنے یا اس کا مال چھپانے کے لالچ میں پڑ جانے پر آگ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے ۔

حکومت کی پرامن تبدیلی کالائحہ عمل

پرامن تبدیلی کے اصول:

(1) حکومت کو کسی بھی وقت غیر شرعی، غیر اخلاقی، غیر قانونی عمل یا جرم کی صورت میں معزول کیا جاسکے۔
(2) ہر معاملے میں ایوان کے ممبران کی اکثریت کو نہ دیکھا جائے۔
(3) اگر کوئی جرم ہو تو جرم کی تحقیق عدالت میں ہو جیسے کہ عام آدمی کی ہوتی ہے۔
(4) تحقیق کے دوران اسے معزول کیا جائے۔
(5) اگر جرم ثابت نہ ہو تو دوبارہ بحال کیا جائے۔
(6) کوئی بھی متاثرہ شخص ڈائریکٹ اس کے خلاف شکایت کر کے تحقیق کروا سکے۔
(7) اگر سیاسی غلطی ہے تو ایوان کو فیصلے کا مکمل اختیار ہو۔
(8) اگر سیاسی غلطی ثابت ہو جائے جس سے عوام اور ملک کا نقصان ہو تو اسے معزول کر دیا جائے۔ اس میں رائے شماری کی ضرورت نہیں ہے۔
(9) اگر سیاسی لوگ کسی فیصلے پر نہ پہنچیں اور غلطی متعین نہ ہو تو رائے شماری سے فیصلہ کیا جائے۔

پرامن تبدیلی کا مجوزہ طریقہ کار:

اس سے پہلے کہ اس کمیٹی کے بارے میں بات کی جائے، پہلے ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا پارلیمنٹ یا اسلامی نظریاتی کونسل حکومت کی تبدیلی کے عمل کو سرانجام دے سکتی ہے۔

پارلیمنٹ (قومی اسمبلی):

پارلیمنٹ اس کام کو احسن طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتی، اس سے پہلے تحریک عدم اعتماد اور صدر کے مواخذہ میں تفصیلی طور پر ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ دونوں طریقے اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت کی تبدیلی کا کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ اس کے تحت جو بھی کمیٹی بنائی جائے گی وہ ایک سیاسی جماعتوں کے تسلط سے آزاد نہیں ہو سکتی۔

اسلامی نظریاتی کونسل:

اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ادارہ ہے جو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کو قوانین کے بارے میں بتاتا ہے کہ آیا یہ قوانین قرآن وسنت سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل 1962ء کے آئین کی اسلامی دفعات کے نتیجے میں آرٹیکل 204 کے تحت بنایا گیا۔ اس وقت اس ادارے کا نام ''اسلامی مشاورتی کونسل'' رکھا گیا۔ 1973ء

کے آئین میں جب شق نمبر 227 شامل کی گئی جس کے مطابق پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے مخالف نہیں بنایا جائے گا تو عملاً اس کا باقاعدہ نظام وضع کرنے کی غرض سے اسی آئین میں دفعہ نمبر 228، 229 اور 230 میں اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے 20 اراکین پر مشتمل ایک آئینی ادارہ بھی تشکیل دیا گیا جس کا مقصد صدر، گورنر یا اسمبلی کی اکثریت کی طرف سے بھیجے جانے والے معاملے کی اسلامی حیثیت کا جائزہ لے کر 15 دنوں کے اندر اندر انھیں اپنی رپورٹ پیش کرنا تھا۔ شق نمبر 228 میں یہ قرار دیا گیا کہ اس کے اراکین میں جہاں تمام فقہی مکاتبِ فکر کی مساوی نمائندگی ضروری ہوگی وہاں اس کے کم از کم چار ارکان ایسے ہوں گے جنھوں نے اسلامی تعلیم و تحقیق میں کم و بیش 15 برس لگائے ہو اور انھیں جمہورِ پاکستان کا اعتماد حاصل ہو۔

26 ستمبر 1977ء کو ضیاء الحق کے دور حکومت میں اس کونسل کی دوبارہ تشکیل ہوئی۔ ضیاء الحق کی اس کونسل کی تاریخی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس کے 17 ممبر ضیاء الحق کے نامزد کردہ تھے۔ 11 ممبران جو جید علما تھے، کا تعلق مختلف مسالک سے تھا۔ دو ممبران جج تھے اور دو ممبران قانونی ماہر تھے۔ 26 ستمبر 1977ء تک کونسل کا دفتر لاہور میں تھا۔ اس کے بعد یہ دفتر اسلام آباد میں منتقل ہو گیا اور ستمبر 1995ء میں کونسل کا دفتر اپنی ذاتی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔

1962ء سے لے کر اب تک کونسل نے 72 سے زائد رپورٹیں مجلسِ شوریٰ کو دی ہیں اور بہت سے قوانین کے لیے سفارشات کی ہیں۔ اس ادارے کی اب تک تقریباً 156 میٹنگز ہو چکی ہیں۔

29 ستمبر 1977ء سے 20 دسمبر 1978ء تک اس کونسل نے اقتصادی، تعلیمی، معاشی اور ذرائع ابلاغ سے متعلق قوانین کے ڈرافٹ تیار کیے۔ ان خصوصی شعبہ جات کے علاوہ کونسل نے عدلیہ کے ساتھ ساتھ عمومی معاملات پر بھی اپنی سفارشات مجلس شوریٰ کو بھجوائیں۔

ان قوانین کی ڈرافٹنگ کے سلسلے میں کونسل نے شام کے سابق وزیر اعظم، ورلڈ مسلم لیگ کے پریذیڈنٹ اور سعودی شاہ خالد بن عبدالولید کے ایڈوائزر ڈاکٹر ماروف الدوالبی (Dr.Ma'ruf Al Dawalibi) سے مدد لی گئی۔

ان قوانین کی ڈرافٹنگ پہلے عربی زبان میں کی گئی، اس کے بعد اردو اور انگریزی میں تراجم ہوئے۔ بدقسمتی سے اب تک اس شوریٰ کی جانب سے بھیجی گئی کسی رپورٹ کو دونوں ایوان نمائندگان میں بحث میں نہیں لایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ادارہ خاطر خواہ کارکردگی دکھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا، جس کی اس سے امید کی جا رہی تھی۔

اب موجودہ کونسل میں علامہ محمد راغب حسین نعیمی چیئرمین ہیں جبکہ باقی 12 ممبران درج ذیل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالغفور راشد، جسٹس (ر) الطاف ابراہیم قریشی ، محترمہ فریدہ رحیم، ملک اللہ بخش کلیار جناب محمد جلال الدین، صاحبزادہ پیر خالد سلطان القادری ظفر اقبال چوہدری صاحب، علامہ ملک محمد یوسف اعوان، ڈاکٹر عزیر محمود الازہری، مفتی محمد زبیر، پیر شمس الرحمن مشہدی، سید افتخار حسین نقوی۔[1]

اسلامی نظریاتی کونسل پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ ادارہ اسلامائزیشن کے لیے بنایا گیا تھا مگر اس میں تمام مکاتب فکر کو نمائندگی نہیں دی جاتی۔ اس اعتراض کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو نامزد کیا جاتا ہے ان مسالک کے افراد ان کو اپنا نمائندہ نہیں سمجھتے اور ان کی نامزدگی پر اعتراضات کرتے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے ان نامزد ارکان کو دینی مدارس میں بہتری لانا ہوگی، تاکہ ایسے جید علماء پیدا کیے جاسکیں جو دینی و دنیاوی تعلیم میں ماہر ہوں اور قانون سازی میں اہم کردار ادا کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پارلیمان کی یہ بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ کونسل سے قانون سازی کے عمل میں مشاورت کرے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے بھیجی جانے والی رپورٹس پر پالیمان کے سیشن میں بحث کرے اور کونسل کی طرف سے پیش کردہ سفارشات کی روشنی میں آئین سازی کرے۔

لیکن ۱۹۷۳ء میں تشکیل کے بعد سے اب تک کم و بیش تئیس برس گزر جانے کے باوجود ابھی تک کونسل صرف دو سو قوانین کا جائزہ لے کر ان کے بارے میں سفارشات مرتب کر سکی ہے، اور ان میں سے بھی بیشتر سفارشات اسمبلیوں میں پیش ہونے کی بجائے وزارتِ قانون کے سرد خانے میں پڑی ہیں، اور قواعد کی رو سے ان کی اشاعت پر بھی پابندی ہے۔

اس مختصر جائزے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ اس کا مقصد صرف سفارشات پیش کرنا ہے اور قانون سازاداروں کو کسی بھی قانون کے بارے اسلامی لحاظ سے راہنمائی کرنا ہے۔

جبکہ حکومت کی تبدیلی کے لئے ایک مستقل اور قابل اختیار ادارے کی ضرورت ہے جس کا حکم ہر حال میں نافذ العمل ہو اور کوئی اس سے انحراف نہ کر سکے۔

(1) ایک کمیٹی بنائی جائے جو صرف معزولی کی شکایت کے لیے ہو۔

(2) اس میں سیاسی، قانونی، شرعی ماہرین کو شامل کیا جائے۔

(3) ان افراد کا انتخاب عوامی ووٹنگ سے بھی ہو سکتا ہے اور سرکاری طور پر قابلیت کے پیش نظر بھی کیا جاسکتا ہے۔

(4) اس کمیٹی تک ہر شہری کی رسائی ہونی چاہیے۔

---

[1] https://cii.gov.pk/aboutcii.aspx

(5) جب بھی کسی کو حکومت سے شکایت ہو یا کسی جرم کا ارتکاب ہو تو اس کمیٹی کو درج کرائی جائے۔

(6) یہ کمیٹی بہت کم مدت میں یعنی تین دن کے اندر اس پر غور کرے گی۔

(7) اگر سیاسی معاملہ ہے تو ایوان میں بھیج دے۔اس معاملے پر ایوان میں بحث ہو گی تو اکثریت کے مطابق اس کا فیصلہ کر دے گا. یہ کاروائی تین دن میں لازمی مکمل کی جائے- یہ کاروائی براہ راست کی جائے۔

(8) اگر عدالتی معاملہ ہے تو حکومت کو معزول کر کے اس کو سپریم کورٹ بھیجا جائے گا۔

(9) ایک قائم مقام حکومت تشکیل دی جائے گی۔

(10) سپریم کورٹ فل بینچ اسکی براہ راست سماعت کرے گا جسے تمام لوگ میڈیا پر دیکھ سکیں گے۔دن رات اس کاروائی کو مسلسل جاری رکھا جائے اور تین دن میں فیصلہ کیا جائے۔

(11) اگر ثابت ہو تو اس فیصلے سے اس کو مستقل معزول کر دیا جائے اور جرم کے مطابق سزا بھی دی جائے۔

(12) اگر جرم ثابت نہ ہو تو اسے بحال کر دیا جائے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان اصولوں کو مد نظر رکھ کر حکومت کی پیرامن تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

فائدہ(Significance):

حکومت کی پرامن تبدیلی سے نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک کو فتنہ فساد اور انتشار سے نجات ملے گی۔ایک پرامن معاشرہ ہی امن و خوشحالی کا ضامن ہوتا ہے۔جب حکومت اپنے فرائض احسن طریقے سے سرانجام نہ دے سکے اور عوام کو ان کے حقوق نہ ملیں تو بے چینی و اضطراب کی کیفیت رونما ہوتی ہے۔اس لئے اس تحقیق سے واضح طور پر ریاست کے ہر شعبے اور ہر فرد کو فائدہ حاصل ہو گا۔

خلاصہ بحث

ریاست و حکومت کے بنیادی اصول تاریخ کے ابتدائی دور سے ملتے ہیں۔ قدیم قوموں میں اس کے اصول کا منبع مذہبی احکامات یا ملک کے بادشاہ کے طریقہ کار سے اخذ کئے جاتے تھے۔ سیاسی و معاشرتی قوانین کے اعتبار سے یونانی دور سبقت رکھتا تھا۔ ان کے اصول قابل عمل اور تنظیم سازی میں بہت بہتر تھے۔ یونانی مفکرین سقراط، افلاطون اور ارسطو مشہور ہیں۔

اسلامی نظام حکومت میں بھی سیاسی و معاشرتی اصول موجود ہیں۔ اس میں کوئی متعین طریقہ کار تو نہیں ہے لیکن ان اصولوں کو مد نظر رکھ کر ہر وقت اور ہر خطہ ارض کے مطابق طریقہ کار بنایا جاسکتا ہے۔ اسلام نے اس نظام کے لئے ایک روح دے دی ہے اب اسے کسی بھی بدن میں داخل کر کے فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

قرآن پاک میں زندگی کے مختلف شعبہ جات کے لیے اصول بیان کیے گئے ہیں اس طرح حکومت کی سیاسی ساخت کے بارے میں بھی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن نے آج کی ریاست کے بنیادی عناصر یعنی خطہ زمین, آبادی . حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ وغیرہ کا ذکر کسی نا کسی طور پر کیا ہے قرآن نے اس سلسلے میں کوئی لگا ندھا ڈھانچہ طے نہیں کیا بلکہ اسے انسان کی بصیرت پر چھوڑ دیا ہے۔ سماجی ضرورت کی بنیاد پر انسان کا اجتماعی شعور ریاست و حکومت کا جو نقشہ موزوں سمجھے اختیار کرے۔ قرآن کے مطابق نظام خلافت میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے وہ ہر چیز کا حاکم اور قانون دینے والا ہے۔ انسانوں کو ریاست و حکومت بطور خلافت کچھ عرصہ اور محدود وقت کے لیے دی جاتی ہے۔ قرآن بطور قانون خداوندی ہے اس لیے تمام ضروری آئین و قوانین صرف اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ منصب نبوت بطور ماخذ قانون ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے احکامات کی تشریح کی اور ان کو عملی جامہ پہنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت لازمی و ضروری ہے۔ شوری اسلام کی سب سے اہم اور بنیادی اقدار میں سے ہے۔ اولی الامر کی اطاعت سیاسی نظام کے لیے ضروری ہے۔ قرآن مجید کے مطابق کثرت رائے کا اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے کبھی بھی اکثریت کو سچائی اور حقیقت کے معیار کے طور پر استعمال نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ قائم کی اور اسکو قیامت تک اسلامی قوانین کا ماڈل بنایا۔ سب سے پہلے آپ نے قیام ریاست کے لیے دارالخلافہ کی تعمیر، مدینہ کی حدود، مرکزیت کے لیے مسجد نبوی کی تعمیر، تعلیم کے لیے صفہ کا قیام، مہاجرین کے لیے مواخات مدینہ وغیرہ اقدامات کیے گئے۔ میثاق مدینہ پہلا آئین تھا جس کی 52 شقیں تھیں اس سے چھوٹے سے شہر میں باقاعدہ منظم حکومت کا قیام ہوا۔

حکومت کی بنیادی ساخت میں قرآن مجید کے اصول سیاست کو شامل کیا گیا جس میں اقتدار اعلی اللہ تعالی کے لیے، انسان بطور خلیفہ، قرآن بطور قانون خداوندی، قرآن کے مطابق اکثریت کی رائے، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شورائیت اور اولی الامر کی اطاعت کو عملی صورت میں پیش کیا گیا۔ معاہدہ بیت کو بنیادی حیثیت دی گئی۔

عہد خلافت راشدہ میں امام کے انتخاب کے لئے مشاوت، عوامی رائے اور بیعت عوام کا خاص خیال رکھا گیا۔ طریقہ کار مختلف تھا مگر تینوں بنیادی چیزوں کا اہتمام کیا گیا۔ یہ سب صاحب تقوٰی، اصلح اور صلاحیت والے تھے۔ اس میں سے کسی نے اس منصب کی تمنا نہیں کی، نہ وراثت جاری ہوئی اور نہ ہی مال و دولت کے حصول کے لئے اس کو حاصل کیا گیا۔ لیکن جب ان کا انتخاب ہو گیا تو انھوں نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے کئے دن رات محنت کی۔

حکومت کی تبدیلی ایک ناگزیر چیز ہے۔ اگر امام اپنے منصب کے قابل نہ رہے تو اسے تبدیل کرنا لازم ہے۔ بظاہر یہ تاثر عام ہے کہ اسلام میں اس کے بارے میں اصول نہیں ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے اسلام نے اس کے بارے میں بھی بنیادی اصول دیئے ہیں، ان کو مد نظر رکھ کر کوئی بھی طریقہ کار بنایا جاسکتا ہے۔ اسطرح حکومت کی تبدیلی کے لئے اصول تو ملتے ہیں مگر کوئی متعین طریقہ کار موجود نہیں ہے۔

عصر حاضر میں مروجہ طریقوں میں تحریکِ عدم اعتماد کو پیش کرنے کے لئے بیس فی صد ممبران کی شرط لگائی گئی ہے۔ جب کہ اسلام ریاست کے ہر فرد کو اس کی اجازت دیتا ہے۔ اس کی تحدید تین سے سات دن کے درمیان کی گئی ہے جب کہ یہ قید اس کے مقصد کو ختم کر سکتی ہے۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ میں ہونے کی قید سے عام عوام کو اس عمل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ وزیرِ اعظم کی ساری طاقت عوام کے ووٹ سے منتخب ایوان کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔

صدر کا مواخذہ کی وجوہات میں جسمانی یا دماغی نااہلیت، آئین کی خلاف ورزی یا فاش غلطی، سنگین بدعنوانی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے طریقہ کار میں ہے کہ ایوان کے نصف ارکان جمع کرائیں گے، 14 دن سے پہلے اسپیکر نوٹس بھیجے گا، صدر خود یا وکیل کے ذریعے شرکت کر سکتا ہے، دو تہائی مشترکہ ایوان اگر ووٹ دیں تو فوراً عہدہ چھوڑنا ہو گا، کوئی بھی رکن اسمبلی قرارداد پیش کر سکتا ہے، ایوان کی عدالتی کمیٹی میں بھیجا جاتا ہے کہ یہ تحقیقات کے قابل ہے یا نہیں، سادہ اکثریت سے ایوان کانگریس میں منظور ہو جاتی ہے، سینیٹ میں جاتی ہے، پراسیکیوٹر مقرر ہوتا ہے، امریکی کا چیف جسٹس اس کاروائی مین صدر ہوتا ہے، گواہوں کو پیش کرنا چاہیں تو اجازت ہوتی ہے، پھر کھلے اجلاس میں قرارداد کے حق میں ووٹنگ ہوتی ہے۔

مغربی سیاسی مفکرین نے خود اسے ایک سیاسی عمل کہا ہے۔ برئن ایل اوسلے نے لکھا ہے کہ مواخذہ ایک سیاسی عمل ہے۔ جارڈ پی کول نے لکھا ہے آئین کے فریمرز نے مواخذے کی پیروی میں ایوان اور سینیٹ کے طرز عمل سے مواخذے کو عام طور پر عدالتی نظر ثانی سے بھی استثنیٰ حاصل ہے اور آئین بدانتظامی کی حد کو بھی بیان نہیں کرتا۔

اسلامی سیاسیات اور تاریخ کی روشنی میں تبدیلی کے اصول

حضرت محمد علیہ السلام سیاسی لیڈر (قاضی) کی حیثیت کسی بھی امیر و نائب کی تبدیلی فرماتے تھے. خلفاء راشدین نے بھی سیاسی لیڈر اور قاضی کی حیثیت سے امیر و نائب کی تبدیلی فرماتے تھے یا پھر سیاسی لیڈر کے اعتبار سے مشاورت کر کے اور قاضی مقرر فرما کر فیصلہ فرماتے۔

صدر کے مواخذے کے اعتبار سے آئین بنانے والوں نے چیف جسٹس کو اسکا اختیار اسلئے نہیں دیا کہ اس کی سلیکشن کی منظوری صدر دیتا ہے اور صرف اپر ہاؤس یعنی سینیٹ پر بھی اسکو مکمل نہیں چھوڑا کہ مقدمے کی تفتیش اور عدالتی معمولات کا سیاسی لیڈرز کو علم نہیں۔ لہٰذا انہوں نے چیف جسٹس کو سربراہ بنا کر سینیٹ میں مکمل کاروائی سر انجام دی مگر غلطی یہ کی کہ حتمی فیصلہ دو تہائی اکثریت پر چھوڑا جو کہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر عدالت ایک شخص کے مجرم و ملزم ہونے کا فیصلہ کر دے تو پھر دو تہائی اکثریت کے طور پر ووٹنگ کی حیثیت کیا ہو گی۔ اسلئے اسلام نے قاضی مقرر کرنے کے بعد بیشک اسے سربراہ و حکومت ہی نے مقرر کیا ہو شریعت کے اصولوں پر فیصلہ کرنے کی مکمل آزادی دی ہے اور اس دروازے کو بند کر دیا ہے۔ اسلئے قاضی و جج یا وہ کمیٹی جو حکومت و صدر کا مواخذہ کرے اس کا انتخاب کرنے والے کوئی بھی ہوں، میرٹ پر اسکا انتخاب کر کے اسے مکمل آزادی دی جائے کہ وہ قانون کے مطابق فیصلہ فرما سکیں۔

لہٰذا اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ: ابتدائی کمیٹی بنائی جائے جس میں سیاسی , قانونی اور شرعی ماہرین شامل ہوں۔ جس میں یہ تعین کیا جائے کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے یا عدالتی۔ اگر سیاسی معاملہ ہو کا فیصلہ ایوان میں کیا جائے اور اگر جرم تو سپریم کورٹ اس کا فیصلہ کرے۔

حکومت (وزیر اعظم اور کابینہ) کو عارضی طور پر معزول کیا جائے اور ایک قائم مقام حکومت بنائی جائے۔ تاکہ احتسابی عمل میں اثر و رسوخ استعمال کر کے رکاوٹ نہ ڈالی جا سکے۔ اگر خالص سیاسی معاملہ ہے تو منتخب کرنے والا ادارہ ہی دو تہائی اکثریت سے اسکا فیصلہ کر دے۔ اور اگر عدالتی معاملہ ہے تو قاضی و جج اگر سپریم کورٹ ہے تو لارجر بینچ بنا کر فیصلہ کرایا جائے اور اسکی لائیو کوریج کی جائے۔

فائدہ significance

نتائج تحقیق

مقالہ کی ابتداء میں طے کردہ بنیادی سوالات و مقاصد کو مد نظر رکھ کر تحقیق کی گئی تو درج ذیل نتائج حاصل ہوئے۔

1۔اسلامی نظام سیاست میں ریاست و حکومت کی ساخت کے اصول تو موجود ہیں مگر کوئی متعین طریقہ کار نہیں ہے۔

2۔عہد خلفاء راشدین سے ماخوذ انتقال اقتدار میں کے اصولوں میں شورائیت، عوامی رائے، تقویٰ، صلاحیت، اور صالحیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ جبکہ ان چیزوں کی نفی کی گئی: موروثیت، اقتدار کی طلب، مال و دولت کی لالچ اور خود طلبِ عہدہ کرنا۔

3۔ خلفاء راشدین نے ان ہی اصولوں پر مختلف والیوں کا انتخاب و تبدیل کیا۔

4۔خلفاء راشدین کے عہد سے تبدیلی کے تین طریقوں کا استنباط:

- خلفاء راشدین نے اپنے آپ کو ہر وقت عوام کے سامنے احتساب کیلئے پیش کیا اور لوگوں کو اختیار دیا کہ اگر کوئی غیر شرعی یا غیر اخلاقی کام یا بد عنوانی دیکھیں تو اطاعت و بیعت کو ختم کر کے معزولی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔
- خلفاء راشدین قاضی وقت کے سامنے پیش ہوتے اور وہ بلا تفریق قانون کے مطابق فیصلہ کرتا لہذا اگر جرم ثابت ہوتا تو وہ خود معزولیت کے لیے تیار ہو جاتے مگر ان کا تقوی اعلی درجے کا تھا اس کی نوبت ہی نہ آئی۔
- خلفاء راشدین نے شوریٰ کو اس نظام حکومت میں خاص اہمیت دی۔ خاص طور پر انتخاب و عزل کے وقت۔

5۔عصر حاضر میں حکومت کی تبدیلی کا طریقہ کار

- ایک کمیٹی ہو جس کے سامنے حکومت کی شکایت کی جائے۔ جو ابتدائی طور پر اس کی تحقیق کرے۔
- اگر حکومت کے بارے میں شکایت پر مزید کاروائی کی منظوری دی جائے ہو تو اسے فوراً معزول کیا جائے، اور اس کی جگہ قائم مقام حکومت تشکیل دی جائے۔
- اگر مکمل تحقیق کے بعد ثابت ہو جائے تو کمیٹی اس حکومت کی معزولیت کے حکم کو باقی رکھے۔
- حکومت کے انتخاب کے اصولوں کے مطابق نئی حکومت کا انتخاب کیا جائے۔

سفارشات

اس مقالہ کا موضوع حکومت کی تبدیلی(پر امن طریقے سے):اسلامی سیاسیات اور تاریخ سے استنباط ہے۔اور اس میں اسلامی تاریخ کے اعتبار سے عہد خلافت راشدہ کی تحدید کی گئی تھی جبکہ

(1) اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار(عہد اموی، عہد عباسی وغیرہ) میں حکومت کی تبدیلی پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔

(2) اسلامی ممالک اور غیر اسلامی ممالک میں حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کار کا تقابلی جائزہ کیا جاسکتا ہے۔

(3) اسلامی ممالک اور مغربی ممالک کے آئینوں میں موجود حکومت کی تبدیلی کے طریقہ کار کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

(4) اسلامی لحاظ سے حکومت کی پر امن تبدیلی کے طریقہ کار پر قانون سازی کی جائے اور ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔ جس میں سیاسی، قانونی، شرعی ماہرین کو شامل کیا جائے۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وإذ قال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء	البقرہ	30	20
2	قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء---------------	آل عمران	26	17
3	فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم	آل عمران	159	26
4	إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل	النساء	58	28
5	يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن تنازعتم في شيء ----------------------	النساء	59	28
6	وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله	النساء	64	23
7	فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا	النساء	65	24
8	ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين-------------	النساء	69	24
9	من يطع الرسول فقد أطاع الله ومن تولى فما أرسلناك عليهم حفيظا	النساء	80	25
10	إنا أنزلنا التوراة فيها هدى ونور يحكم بها النبيون الذين أسلموا للذين هادوا والربانيون --------------------	المائدہ	44	21
11	قل إني على بينة من ربي وكذبتم به ما عندي ما تستعجلون به -------------------------------	الانعام	57	16

30	114	الانعام	أَفَغَيۡرَ ٱللَّهِ أَبۡتَغِي حَكَمٗا وَهُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ إِلَيۡكُمُ ٱلۡكِتَٰبَ مُفَصَّلٗاۚ وَٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ	12
19	165	الانعام	وَهُوَ ٱلَّذِي جَعَلَكُمۡ خَلَٰٓئِفَ ٱلۡأَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٖ دَرَجَٰتٖ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمۡۗ ----------------------	13
22	3	الاعراف	ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ	14
22	40	يوسف	إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِ	15
49	15	الشورىٰ	فَلِذَٰلِكَ فَٱدۡعُۖ وَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَۖ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡۖ وَقُلۡ ءَامَنتُ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِن كِتَٰبٖۖ ----------------------	16
26	37,38	الشورىٰ	وَٱلَّذِينَ يَجۡتَنِبُونَ كَبَٰٓئِرَ ٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡفَوَٰحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُواْ هُمۡ يَغۡفِرُونَ وَٱلَّذِينَ ٱسۡتَجَابُواْ لِرَبِّهِمۡ ---------------	17
38	10	الفتح	إِنَّ ٱلَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ ٱللَّهَ يَدُ ٱللَّهِ فَوۡقَ أَيۡدِيهِمۡۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦۖ ---------------	18
49	25	الحديد	لَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِٱلۡبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلۡنَا مَعَهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلۡقِسۡطِۖ وَأَنزَلۡنَا ٱلۡحَدِيدَ -------------	19
143	2	الحشر	فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ	

فہرست احادیث

نمبر شمار	متن	کتاب	حدیث نمبر	صفحہ نمبر
1	إِنَّ ابنِي هذَا سيدٌ، ولَعلَّ اللّٰه أَنْ يصلح به بين فئتين عظيمتين	البخاری	2704	92
2	وايْم اللّٰه لَو أَنَّ فَاطمة بنْت محمَّد سرقَت لَقطَعت يدها	البخاری	3475	49
3	أَنَّ البَينة علَى المُدَّعي والْيمين علَى المُدَّعى علَيه	البخاری	4552	50
4	فَكانَ فيما أَخذَ علَينا: أَنْ بايعنا علَى السَّمعِ والطَّاعةَ في مَنْشطنا ومكْرهنا، وعُسرِنا ويسرِنا، وأَثَرة ----------	البخاری	6647	11
5	ألَا كُلُّكُم راعٍ، وكُلُّكُم مسئولٌ عن رعيَّته، فالْإمام الَّذي علَى النَّاس راعٍ، وهوَ مسئولٌ عن رعيَّته	البخاری	7138	32
6	إِذَا حكَم الحاكِم فاجتهد ثم أَصاب فله أَجران، وإِذا حكَم فَاجتَهد ثم أَخطَأَ فله أَجر	البخاری	7352	33
7	إِنَّك ستأْتي قَوماً أَهْل كتَاب، فَإِذَا جِئْتهم فادعهم إِلَى أَنْ يشْهدوا أَنْ لَا إِلَه إِلَّا الله، -------------	المسلم	121	42
8	فاستشار رسولُ الله صلَّى الله علَيه وعلَى آله وسلَّم أَبا بكْر وعليًّا وعُمرَ رضي الله عنْهم، فقالَ أ-----	المسلم	1763	40
9	خيار أَئمَّتكُم الَّذين تحبُّونَهم ويحبُّونَكُم، ويصلُّون علَيكُم وتُصلُّون عليهم، وشرار أَئمَّتكُم -----------	المسلم	1885	2
10	فإِنَّ الإمامَ أَنْ يخْطئَ في العفْوِ خير من أَنْ يخطئ في العقوبة	الترمذی	1408	50

فہرست اعلام

اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر
ابان	45,61,44	ابوعبید	78	اسعد بن زرارہ	50
ابراہیم مہدی	113	ابوعبیدہ جراح	44,78	اسود عنسی	44,74
ابن اثیر	166,73	ابوقتادہ انصاری	84	اسید بن حضیر	50
ابن ام مکتوم	55,56	ابولبابہ بشیر	55	اشعث قیس	87
ابن تیمیہ	9,12,17	ابوموسی	44	الپ ارسلان	103
ابن خطل	58	ابونصر فارابی	100	الجوینی	102
ابن خلدون	12,67,10	ابوھریرہ	76	الحرمین جوینی	102
ابن سعود	137,139	ابی احیحہ	45	السرخسی	148
ابن نجیم	147	ابی امیہ مخزومی	44	ال سعود	136
ابوالاسود	86	ابی بن کعب	58,70	السیوطی	147
مودودی	6,13	اٹل بہاری	128	الفارابی	9
ابوالکلام آزاد	6	احمد تقی الدین	109	الماوردی	9,12,10
انصاری	84,85,86	ارتم	58	المؤصل	8
ابو بکر	39,57,11	ارسطو	100,154	آلوسی	21
ابوسفیان	39,44,58	ارقم بن ارقم	58	امام حسین	4
ابوسلمہ	55,56	اسرار احمد	7,23	امام غزالی	12,10,9

اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر
امام مسلم	41	جریر بن عبداللہ	73	حمیداللہ	10,52
ام سلمہ	39	جہیم	58	حنظلہ اسیدی	58
امین احسن	10,120	جیفرا	43	جعدہ بن ہبیرہ	87
انس بن مالک	61	حارث	55	خالد بن العاص	75,81
ایچ ڈی گوڑا	128	حباب بن مندر	39	خالد بن سعید	44,58,8
اینڈریو جانسن	131	حبیب مسلمہ	83,84	خالد بن غلاب	84
بازان	44	حرب بن امیہ	45	خالد بن ولید	58,61,7
براہ بن معرو	50	حذیفہ بن یمان	43,58,81	خالد مسعود	106
بریدہ	58	حذیفہ عظفانی	58	خسرو پرویز	44
بشیر خزرجی	40	حسان بن ثابت	60	خواجہ محمد عمیر	8
بلال حبشی	58	حسصین	58	ذوالغاصہ	62
بل کلنٹن	131,133	حسن	66,92,93	ذیشان	8
بے نظیر بھٹو	129	حسن صعب	9	رابعہ مدنی	6
تقی امینی	150	حکم بن العاص	76	رافع بن مالک	50
تمام بن عباس	84	حمزہ بن المطلب	40	رباح اسود حبشی	61
ثابت	58	حمزہ	57,148	ربعی بن افکل	80
جاوید غامدی	,13,1216	حمیدالدین	120	ربعی بن کاس	87
رشید احمد	103	سعید بن عاص	45,85	شریح بن عامر	79

اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر
رفاعہ مبین	50	سعید بن قشیب	44,46	عبداللہ ربیعہ	77,82
زبیر بن عوام	58	سعید بن عامر	78	عبداللہ بن ثور	74
زیاد بن سفیان	87	سفیان عبداللہ	76	عبداللہ جعفر	93
زیاد بن لبید	44,73	سلمان ربیعہ	84	عبداللہ رواحہ	50
زید بن ثابت	58,70	سلمان فارسی	40,72,81	عبداللہ زمعہ	61
زید بن حارثہ	55	سمرہ بن جندب	91	عبداللہ بن زید	38
سباع غفاری	56	سمیرا ربیعہ	8	عبداللہ بن ابی	62
سجل	58	سواد بن غزیہ	43	عبداللہ سوار	82
سعد بن وقاص	72,79,80	سہل بن حنیف	84,86,91	عبداللہ بن عامر	83
سعد بن خیمہ	50	سہم	43,46,59	عثمان بن حنیف	86
سعد بن ربیع	50	سید قطب	18	عبداللہ عباس	86,91
سعد بن عبادہ	39,50,55	سیف بن عمر	88	عبداللہ بن عمرو	50
سعد بن معاذ	39,55	شاہ سعود	137,138	عبداللہ مسعود	89
سعید ابن زید	65	شاہ فیصل	137,138	عبداللہ معتم	80
سعید بن ساریہ	87	شاہ ولی اللہ	113	عبدالمالک	6
سعید بن سعد	85	شرحبیل حسنہ	44,58,78	عبدربہ	58
عبیداللہ عباس	85	عمار بن یاسر	79,80,88	غزالی	103,10
عتاب بن اسید	43,45,46	عمار کامل	102	غیاث الدین	107

اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر
عتبہ بن غزوان	79	عمارہ بن شہاب	91	فرحت نثار	7
عتبہ بن فرقد	81	عمران خان	129	فریدالدین	7
عثمان العاص	43,46,76	عمرانورالزبدانی	102	قثم بن عباس	84
عثمان بن حنیف	86	عمر بن ابی سلمہ	85	قدامہ مظعون	76,77
عثمان بن عفان	56,58,81	عمر بن فاروق	38,40,65	قرظہ بن کعب	86
عثمان غنی	40,56,58	عمروابن مکتوم	56	قنفذ بن عمیر	75
عدی بن حاتم	44	عمروبن حزم	44,61,62	قیس الحسین	62
عرفجہ بن ہرثمہ	80,83	عمروبن سعید	43	قیس بن سعد	71
عکاشہ بن ثور	44	عمروبن عاص	43,91,92	کعب ابن مالک	60
علاء بن حضرمی	44,46	عمروبن عوف	55	لارڈ نارتھ	128
علاء بن عقبہ	58	عمیر بن سعد	78	لیاقت عثمان	8
علی ابی طالب	58,62,84	عنبہ	61	مالک اشتر	85,86
علی ربیعہ	81	عویم بن ساعدہ	61	مالک اوسی	60
علی بن موسیٰ	113	عیاش ابی ثور	76	مامون	113
علی ہاشمی	60	عیاض بن غنم	74,78	ماوردی	9,12,17
محرز بن حارثہ	75	معاویہؓ	4,115	نوفل حارث	46
محسن رضا	7	معن اوسی	60	نوفل بن معاویہ	40
محمد ادریس	7	معیز بن جبل	44	نینوی	80

اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر	اعلام	صفحہ نمبر
محمد اسد	6,9,12,1	معیقب	58	وشوناتھ	128
محمد افتخار قیوم	7	مغیرہ بن شعبہ	58	ولید بن عقبہ	83,89,9
محمد اقبال	6,18,116	مفتی تقی عثمانی	2,6	ہاشم بن فہر	46
محمد بن ابی بکر	86	ملک شاہ	103,105	ہبیرہ	46,87
محمد بن مسلمہ	40,56	منذر بن ساوی	43	یاسین مظہر	47
محمد بن ملک شاہ	105	منذر بن عمرو	50	یزید بن سفیان	87
محمد حمید اللہ	13	موسیٰ اشعری	61,67,70	یزید بن عبداللہ	62
محمد شریف	6	مونیکا لیونسکی	132,133	یعلی بن امیہ	44
محمد عبدالرحمان	7	مہاجر امیہ	73	Mabid Ali	9
مخزوم	46,57	میرہ بن سبل	43	Faisal	8
مروان بن حکم	82	نافع بن الحارث	75	Sarif	8
مستفیض احمد	10,13,30	نظام الملک	9,12,102	Zamir	9
مطلب	23,40,46	نعمان بن عجلان	85		
معاذ بن جبل	41,44,73	نعمان بن مالک	40		

فہرست اماکن

اماکن	صفحہ نمبر	اماکن	صفحہ نمبر	اماکن	صفحہ نمبر	اماکن	صفحہ نمبر
اٹلی	128	جرش	44,45	ساہیوال	121	گریس	128
اصفہان	84	جرمنی	118	سپین	128	لیویو	118
اعظم گڑھ	120	جند	44,77	سکاسک	44	مدینہ	32,34
الجند	44,77	جیون شاہ	121	سویڈن	128	مصر	5,7
امریکہ	128	چین	138	شام	5,44,	مکہ مکرمہ	32,39
ایران	134	حضرموت	44,73	صنعاء	73,77	نجران	44,45
آذربائیجان	81,87	خراسان	87	طائف	40,43	ھمدان	44
آرمینیا	83,84	خولان	73	عدن	44	یارک	128
آسٹرو	118	خیبر	40,43	عراق	5,69,	یثرب	37
بحرین	43,44	دمشق	69,91	عرب	35,41	یروشلم	72
بدر	39,40	جندل	69	عمان	44,76	یمامہ	82
برطانیہ	127	ڈنمارک	128	فارس	78,86	یمن	5,41
بصرہ	25,27	رمع	44,47	فلسطین	69,77	یوپی	120
بھارت	128	روم	88	کندہ	44	یوکرین	118
تبوک	40,56	زبید	73	کوفہ	68,79		
جاپان	128	افریقہ	128	کینیڈا	127		

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

عربی کتب

1۔آلوسی، شہاب الدین محمد، روح المعانی (بیروت: دار الفکر، 1997ء)

2۔ابن أثیر، علي بن محمد الجزری، أسد الغابة في معرفة الصحابة، (تہران: مکتبہ الاسلامیہ،)

3۔ابن اثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ (دمشق۔1356ھ)

4۔ابن إسحاق، محمد، السیرہ النبویہ، (الرباط: معھد الدراسات والأبحاث للتعریب، المغرب العربي، 1979ء)

5۔ابن تیمیہ، تقی الدین ابن عباس احمد، السیاسۃ الشریعہ، (مصر: دار الدعوۃ الاسلامیۃ، 1997ء)

6۔ابن تیمیہ، منہاج سنہ (لبنان: مکتبہ خیاط، 1962)

7.ابن حجر، أحمد بن علي، الإصابة في تمییز الصحابة، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1995،)

8۔ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، المقدمہ، (مصر: مصطفیٰ، 2003ء)

9۔ابن خلکان، وفیات الاعیان، (قاہرہ: مکتبہ النہضہ المصریہ، 1948 ء)

10۔ابن رشد، محمد بن احمد، بدایہ المجتہد، (لاہور: المکتبہ العلمیہ، 1984ء)

11.ابن سعد، محمد بن عبد اللہ، الطبقات الکبریٰ، (بیروت: دار الفکر، 1994ء)

12۔ابن عابدین، محمد امین بن عمر، مجموعہ رسائل (لاہور: سہیل اکیڈمی 1980ء)

13.ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب في معرفة الأصحاب، (بیروت: دار الجبل 1992)

14ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، المغنی (بیروت: دار الفکر، ن۔م)،

15۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، (ریاض: دار طیبہ 1420ھ)

16۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ. (بیروت-لبنان: دار الفکر. 1986)

17۔ابن نجیم، زین العابدین، الاشباہ والنظائر (کراچی: ادارہ القرآن، ن۔م)

18۔ابو زہرہ محمد، امام مالک، (فیصل آباد: ملک سنز، ن۔م)

19.ابو یوسف، یعقوب، کتاب الخراج (بیروت: دار الفکر، 1979ء)

20۔اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن،) قاہرہ: مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ۔1961ء)
21۔الانصاری، محمد بن نظام الدین، فواتح الرحموت علی المستصفی للغزالي (مصر: الطبعہ الامیریہ 1342ھ)22
22.البخاري، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (بیروت: دار الاحیاء والارشاد العربی 2006ء)
23۔البلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، (کراچی، نفیس اکیڈمی، 1986ء)
24۔البلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف (مصر، دار المعارف، 2004ء)
25۔التفتازاني، سعد الدین، التلویح مع التوضیح (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب،)
26۔الذھبي، محمد بن احمد، سیر أعلام النبلاء، (بیروت: موسسہ الرسالہ، 1982)
27.الذھبي، محمد بن احمد، تجرید أسماء الصحابۃ، (الھند, بمبی، طبعۃ شرف الدین الکتبي، 1970م،)
28۔السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط (کراچی: ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 1987ء)
29۔السرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، (حیدر آباد: دار الکتب العربی 1372ھ)
30 ۔السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، الاشباہ والنظاہر (مصر: البابی الحلبی، 1959ء)
31۔الشاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد، البدور والبازغہ (یوپی انڈیا مدینہ۔ برقی پرس 1354ھ)32
32۔الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند احمد (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ن۔م)
33۔الصلابي، علي محمد، فصل الخطاب في سیرۃ ابن الخطاب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب شخصیتہ وعصرہ، (الشارقہ: مکتبۃ الصحابۃ 2002)،
34۔الصلابي، علی محمد، تیسیر الکریم المنان في سیرۃ عثمان بن عفان رضي اللہ عنہ- شخصیتہ وعصرہ، (مصر: دار التوزیع و النشر الاسلامیہ، 2002)
35۔الصلابي، علی محمد، أسمی المطالب في سیرۃ أمیر المؤمنین علي بن أبي طالب رضي اللہ عنہ، (الامارات، الشارقہ: مکتبہ الصحابہ، 2004)
36۔الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، (بیروت: المکتبہ التوفیقیہ، 1996ء)
37۔العمري، عبد العزیز بن إبراھیم، الولایۃ علی البلدان في عھد الخلفاء الراشدین (سعودیہ: دار إشبیلیۃ، 2001)
38. ۔الغزالی، ابو حامد محمد بن احمد، امام، التبر المسبوک فی نصائح الملوک، (تھران: کتب خانہ تہران، 1987ء)
39۔الغزالی، ابو حامد محمد, احیاء علوم الدین (مصر: مصطفیٰ البابی، 1939)
40 ۔الغزالی، ابو حامد محمد, نصیحۃ الملوک (تہران: کتاب خانہ، 1357)
.41۔الغزالي، أبو حامد، فضائح الباطنیۃ، (الکویت: مؤسسۃ دار الکتب الثقافیۃ)

42۔الفارابي، آراء أهل المدينة الفاضلة ومضاداتها، مؤسسة (هنداوي، مصر2016)
43. القشیری، مسلم بن حجاج،، الجامع الصحیح (بیروت: دارالکتب،2010ء)
44.الماوردی، علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، (بیروت: دارالحکمۃ، 2009ء)
45۔المحمصانی، صحبی-فلسفہ التشریع في الاسلام (لاہور: مجلس ترقی ادب، (1981ء)
46۔۔المزيِ، یوسف بن عبدالرحمن، تھذیب الکمال في أسماءالرجال (بیروت: موسسہ الرسالہ، 1993)
47۔امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کاتاریخی پس منظر (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1983ء)
48.۔پانی پتی، محمد ثناءاللہ، تفسیر المظہری (لبنان: دارالاحیاءالتراث العربیہ 2004ء)
49.۔جوینی، امام الحرمین ابوالمعالی، غیاث الامم فی التیاث الظلم، (قاھرہ، دارالکتب)
50.۔طوسی, نظام الملک، سیر الملوک (پیرس: 1890)
51۔طوسی, نظام الملک، دستورالوزراء (پیرس: 1890)
52.۔قطب شہید، سید ,العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، (قاہرہ: دارالاحیاءالکتب العلمیہ، ت ن)
53۔ملاجیون، شیخ احمد، نوارالانوار مع قمرالاقمار، (لاہور: مطبعہ علمی 1952ء)
54.۔واقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، (لندن: اکسفورڈیونیورسٹی پریس، 1966ء)
55.۔ھاشم، یحیی الملاح، موسوعۃ الموصل الحضاریۃ (عراق، دارالکتب جامعہ الموصل، 1992)

اردو کتب

1.۔احمد، رشید، پروفیسر، مسلمانوں کے سیاسی افکار (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1990)
2۔ازہری، پیر کرم شاہ، ضیاءالقرآن، (لاہور: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، 2011ء)
3۔اسراراحمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، (پشاور: انجمن خدام القرآن، 2015،)
4۔اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، 2000)
5۔اصلاحی، مولاناامین احسن، اسلامی ریاست، (لاہور ادارہ التذکیر، 2002.)
6۔حمیداللہ, ڈاکٹر، عہد نبوی کے میدان جنگ (لاہور, ادارہ اسلامیات 1982ء)
7.۔حمیداللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، (کراچی: اردو اکیڈمی 1981ء)
8۔حمیداللہ، ڈاکٹر، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی (کراچی، دارالاشاعت۔1987ء)
9۔شاہ، ولی اللہ، مترجم ابویحییٰ، فقہ عمر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1960ء)

10۔شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد۔ازالۃ الخفاء۔(کراچی محمد سعید اینڈ سنز،1969ء)

11۔صدیقی ,یاسین مظہر ڈاکٹر،عہد نبوی کا نظام حکومت،(علی گڑھ:ادارہ تحقیق وتصنیف،1994ء)

12۔صدیقی، محمد یاسین مظہر،پروفیسر،عہد نبوی کا تنظیم ریاست وحکومت(دہلی: قاضی پبلیشرز،1998)

13۔عثمانی، مفتی تقی ،اسلام اور سیاسی نظریات،(مکتبہ معارف القرآن، کراچی،2010ء)

14۔علوی، مستفیض احمد،ڈاکٹر،ریاست وحکومت کے اسلامی اصول،(اسلام آباد،پورب اکادمی 2010ء)

15۔غامدی، جاوید احمد، مقامات،(لاہور:المورد ادارہ تعلیم وتحقیق، 2021ء)

16۔غامدی، جاوید احمد، میزان،(لاہور المورد,2009)

17۔ملک, محمد اسلم، مدینہ کی قدیم تاریخ نقوش، (لاہور۔رسول پیغمبر 1984ء).

18۔مودودی، سید ابوالاعلی،اسلامی ریاست،(لاہور:ترجمان القرآن،2009ء)

19.مودودی،ابوالاعلی، مولانا، خلافت وملوکیت،(لاہور:ادارہ ترجمان القرآن،2001ء)

English Books

1.Arnold,TW, The Caliphate,London:Oxford University Press
2.Asad ,Muhammad, The Principles of State and Government in Islam, (Malaysia Islamic Book Trust, ,1999).
3.Farooqji, Muhammad Yusuf, Dr., Development of usul-Al-Fiqh, An early Historical Perspective(Islamabad:sharia academy)
4.Rosenthal, Politic Thought in Medieval Islam

websites

1. https://www.tajziat.com.

2.https://www.bbc.com.

3.https://crsreports.congress.

4.https://franpritchett.com.

5.https://illinoislawrev.web.illinois.edu.

6.https://www.aph.gov.au.

7.https://senate.gov.pk

8.https://www.legal-tools.

9. https://www.wipo.int.
10. https://guides.loc.gov.
11. .https://www.researchgate.net.
12.https://www.bbc.com.